APR 0 9 1993



v.3

ریاست کا ساٹھ سالہ سیاسی دور

کشمیر کی سیاسی انقلاب

شبنم قیوم

پبلشرز:۔ کشمیر بک ڈپو جموں کشمیر

Kashmir

کشمیر کا سیاسی انقلاب

V.3 جلد سوم

از ابتدائے اکتوبر ۱۹۴۷ء تا اگست ۱۹۵۳ء

ایک تاریخ

ایک تحریک

ایک دستاویز

مُصنّف

Shabnam Qayum

شبنم قیّوم

کشمیر بک پوپلشرز، سرینگر، کشمیر

DS
485
.K2
Q13
1989
V.3

جملہ حقوق بحقِ مصنّف محفوظ ہیں

ترجمہ یا کسی طرح استعمال کرنے سے پہلے تحریری اجازت لینی ضروری ہے البتہ تبصرے کے لئے حوالہ جات دینے میں کوئی قید نہیں ہے : مصنّف

بار اوّل : ۱۹۸۹ء

طباعت : ..... جے ، کے آفسٹ پرنٹرز ، جامع مسجد دہلی ۶

قیمت : ..... پچاس روپے ۵۰/-

مصنّف

شبنم قیّوم

بوچھوارہ ڈلگیٹ ، سرینگر کشمیر

ناشر

کشمیر بک ڈپو مولانا آزاد روڈ سرینگر کشمیر

اِنتساب!

ڈوگرہ شاہی کے آخری تاجدار ہز ہائی نس راجیشور مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر اور سابقہ وزیر اعظم آنریبل رام چند کاک کے نام —!

حسرت بھری آہوں کے ساتھ۔ کاش برِّ صغیر کی آزادی کے بعد اُن کی حکمرانی برقرار رہتی۔

تیری یاد آئی تیرے جانے کے بعد

شبنم قیّوم



مہاراجہ ہری سنگھ

حرفِ اوّل

"کشمیر کا سیاسی انقلاب" کی اس تیسری جلد کو میں نے سر مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر اور سابقہ وزیر اعظم رام چند کاک کے نام منسوب کر کے اِن دونوں کے تئیں خراج عقیدت ادا کیا۔ یہ جان کر بھی بعض مسلمان تنگ نظری اور تعصب کی بنا پر مجھ سے ناراض ہوں گے۔ "کشمیر کا سیاسی انقلاب" مرتّب کرنے کے دوران مجھے مہاراجہ ہری سنگھ اور اوران کے وزیر اعظم رامچند کاک کو پرکھنے کا خوب موقع ملا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ریاست جموں و کشمیر کے عوام بڑے بدقسمت تھے جو مہاراجہ ہری سنگھ کو تخت و تاج چھوڑ کر یہاں سے جانا پڑا اور جناب رام چندر کاک کو مہاتما گاندھی کی سفارش پر وزارتِ عظمیٰ کے عہدے سے ہٹایا جانا پڑا۔

حالات اور واقعات گواہ ہیں کہ مہاراجہ ہری سنگھ قبائلی حملے کے دوران یہاں سے بھاگنا نہیں چاہتے تھے۔ دراصل اُن کے دل میں خوف و دہشت ایسا ڈال دیا گیا کہ وہ بھاگنے کے لیے مجبور ہو گئے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ ہندوستان نہیں تو پاکستان کے ہاتھوں ضرور گرفتار ہو جاتے۔

قبائلی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے تو وہ بھی مہاراجہ کو گرفتار کر لیتے ہندوستان نے تو کرنل مانک شاہ کو انہیں گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ کرنل مانک شاہ اپنے دو فوجی آفیسروں کے ہمراہ ایئرپورٹ پر مہاراجہ ہری سنگھ کی 'ہاں' یا 'نا' سننے کا انتظار کر رہے تھے۔ اگر مہاراجہ اس موقع پر الحاق کے بارے میں 'نا' کرتے تو مانک شاہ اپنی وہ کارروائی شروع کرتے جس کے لیے وہ دہلی سے مسٹر وی، کے مینن کے ہمراہ آئے تھے۔ اُس وقت حالات ایسے تھے کہ شیخ عبداللہ جیسے عوامی لیڈر کو بھی اپنی فیملی محفوظ مقام یعنی دہلی جواہر لال نہرو کے پاس بھیجنا پڑی۔ اور اپنے لیے ہوائی اڈّے پر ایک جہاز تیار رکھنا

پڑا۔ بعض قلمکاروں نے مہاراجہ ہری سنگھ پر بزدلی سے بھاگ جانے کا الزام لگایا جو بالکل غلط ہے۔ مسٹر وی پی مینن نے مہر چند مہاجن کے ساتھ مل کر ان کے دل میں جو ڈر اور خوف ڈال دیا تھا۔ اگر کوئی شیر دل بھی ہوتا تو وہ بھی وہی کرتا جو مہاراجہ نے کیا ــــــ سرینگر سے بھاگتے ہوئے مہارانی تارا دیوی نے ڈرامار چا کر راستے میں مسلمانوں کا جو قتل و خون کرایا مہاراجہ نے عمر بھر مہارانی کا یہ قصور معاف نہیں کیا۔

مہاراجا ہری سنگھ کو ظالم و جابر حکمراں بھی کہا گیا ہے اور گو کہ ان کے دورِ حکمرانی کے ساتھ ایسے واقعات ضرور منسوب ہیں جو حد درجہ افسوسناک ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تاریخ نویسوں اور دوسرے اہلِ قلم حضرات نے اُن کا صرف تاریک پہلو ہی اُجاگر کیا، اور روشن گوشے کو ہمیشہ نظر انداز کیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ جس دَور میں ریاست پر حکمرانی کر رہے تھے یہ وہ دور تھا جب پورے ہندوستان میں راجے مہاراجے اور نواب مختلف جگہوں پر عوام پر حکومت کر رہے تھے لیکن ہندوستان کے تمام راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کی حکومتوں کا جب ہم مہاراجہ ہری سنگھ سے موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں اپنا مہاراجہ دیوتا نہیں، انسان ضرور نظر آتا ہے جس کے دل میں انسانیت کی رمق باقی تھی۔ مہاراجہ بہادر نہ صرف عوامی مطالبات پر کان دھرتے، بلکہ کمیشن بٹھا کر عوامی مطالبات کو پورا کرتے تھے۔ ہندوستان بھر کے تمام راجوں مہاراجوں اور نوابوں کی حکومتوں میں اُن کے کارناموں کو اگر انگریزوں نے جلا جلا کے نذرِ آتش نہ کیا ہوتا تو میری طرح اوروں کو بھی مہاراجہ ہری سنگھ کو دوسرے راجوں کے مقابلے میں احترام و عزت کی نگاہوں سے دیکھنا پڑتا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ریاستی عوام کے حقیقی بہی خواہ سابقہ وزیرِ اعظم رام چند کاک تھے۔ رام چند کاک جیسے مخلص شخص کو کشمیری عوام نے سمجھنے میں جو غلطی کی اس کا انھیں زبردست خمیازہ بھگتنا پڑا۔ کشمیری عوام نے شیخ محمد عبداللہ پر اعتبار کر کے اُنھیں جو اعتماد دیا، انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند کاک کے حوالے کرتے ہوئے اپنی تقدیر اور اپنا مستقبل اُن کے ہاتھ میں دیا ہوتا تو آج کشمیر اور کشمیری بالکل مختلف ہوتے، کشمیر یقیناً ساری دنیا میں ایک نمونے کا خطہ ہوتا، یہاں نہ کوئی فتنہ فساد ہوتا اور نہ ہی آزادی کی خاطر نوجوان نسل گولیوں کا شکار زندانوں کی نذر اور انٹروگیشن کے عتاب سے گزرتی۔

رام چند کاک کو عوامی راج میں گھاس کی رسّی سے باندھ کر سڑک سڑک گھمایا گیا۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کی شہہ پر نہ صرف ان پر پھبتیاں کسی گئیں بلکہ ان پر تھوکا بھی گیا ان پر کیچڑ بھی مل دی گئی۔ ان پر الزام یہ تھا کہ انھوں نے اپنے دورِ وزارت میں پاکستان کی حمایت کی تھی اور ریاست کو آزاد اور مختار رکھنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ رام چند کاک نے شیخ محمد عبداللہ جیسے عوامی لیڈر کو چیلنج دیا تھا کہ اگر نیپال جیسا چھوٹا ملک جس کے پاس میونسپلٹی بھی نہیں آزاد رہ سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں رہ سکتے؟

رام چند کاک ریاست کے عوام کے لیے آزادی اور خود مختاری کا جو خواب دیکھ رہے تھے عوامی راج کے حکمراں نے اُن کا یہ خواب چکنا چور کر دیا اور انھیں اس قسم کا خواب دیکھنے کی جو سزا دی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

مجھے اس بات سے ہرگز انکار نہیں کہ مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ حکومت میں یہاں کے مسلمانوں پر سخت ظلم ڈھائے جا رہے تھے۔ اگرچہ اس کے ذمہ دار مہاراجہ سے زیادہ انکے وزیرِ اعظم، گورنر اور دوسرے اعلیٰ حکام ہوا کرتے تھے لیکن مہاراجہ ہری سنگھ ان ذمہ داریوں سے ہرگز مبرا نہ تھے۔

دراصل وہ دور ہی ظلم و جبر کا دور تھا۔ اور ایسا کچھ صرف ریاست جموں و کشمیر میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی تمام ریاستوں اور صوبوں میں ہوا کرتا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہماری ریاست سے زیادہ جو روظلم دوسری ریاستوں اور صوبوں میں ہوا کرتا تھا تو غلط نہیں ہوگا۔

مہاراجہ ہری سنگھ پر سب سے زیادہ الزامات "تحریکِ حریت" کے دوران لگے۔ اس دَور میں گولیاں بھی چلیں، ٹکٹکی بھی لگی، ڈنڈے بھی برسائے گئے اور جیل کے دروازے بھی کھول دیئے گئے ــــ یہ سب کیوں ہوا؟ ایک حکمراں کے خلاف باضابطہ طور پر بغاوت ہو رہی تھی۔ بغاوت صحیح تھی یا غلط۔ لیکن تھی تو بغاوت ہی ــــ اور اس بغاوت کو روکنے کے لیے مہاراجہ نے جو کارروائی کی اگر وہ نہ کرتے تو کیا ہمیں شاباشی دیتے، یا ہمارے کہنے پر گدی چھوڑ دیتے۔

شخصی راج ویسے بھی ایک بدنام راج تھا اور اس راج میں اگر کوئی حکومت کے خلاف کسی بھی قسم کی کارروائی کرتا تو اسے جیل بھیجا جاتا، زدوکوب کیا جاتا، حالات قابو سے

باہر ہو جاتے تو گولی بھی چلائی جاتی۔ لیکن پوچھا جا سکتا ہے کہ عوامی راج جو شخصی راج کے مقابلے میں بڑا ہی نیک نام ہے۔ اس راج میں اگر حکمران کے خلاف فساد بپا ہوتا ہے تو کیا جیل میں فسادیوں کو بند نہیں کیا جاتا، ان پر ڈنڈے نہیں برسائے جاتے اور گولیوں سے چھلنی کر کے انہیں مارا نہیں جاتا ــــ ہماری ریاست جموں و کشمیر میں شخصی راج میں جتنے لوگ مارے گئے وہ عوامی راج میں مارے جانے والوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔

بخشی غلام محمد نے اپنی وزارت بچانے کے لیے جتنے قتل کیے اُن کا کوئی حساب نہیں، شیخ عبداللہ اور اُن کے جانشین نے راشن کی سبسڈی بجلی فیس کی زیادتی، اسکولوں اور کالجوں کی اسٹرائیک کے دوران جتنے جوان جان سے ختم کر دیئے۔ وہ کس کھاتے میں ڈالے جائینگے۔

شیخ محمد عبداللہ کے جانشین ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے آپریشن بلیو اسٹار امرتسر کے موقع پر حضوری باغ کے پاس ایک ایسے جلوس پر جس میں صرف اسّی افراد شامل تھے اور پُر امن مظاہرہ کر رہے تھے، نو اشخاص کو گولیوں سے اُڑا دیا اور بڑی ڈھٹائی سے کہہ دیا کہ اگر میں ایسا نہیں کرتا تو میری وزارت کو خطرہ تھا۔ انہی صاحب کی وزارت میں عوام نے بجلی فیس کے اضافے پر احتجاج کیا تو چھ بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

صرف اگست ۱۹۸۸ء سے مئی ۱۹۸۹ء تک مختلف اوقات میں کوئی تیس ۳۰ نوجوان گولیوں کے شکار بنائے گئے۔

بھلا سوچیے اگر حکومت کے خلاف بغاوت ہوتی تو کیا خون کی ندیاں نہیں بہتیں حالات اور واقعات گواہ ہیں کہ شخصی راج یعنی مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ حکمرانی میں جب بھی عوام کی طرف سے مطالبے دُہرائے جاتے تو نہ صرف ان مطالبات کو بغور سنا جاتا بلکہ ان پر عمل بھی کیا جاتا۔

مہاراجہ کے خلاف بغاوت کے دوران جب جب فائرنگ ہوئی تو اپوزیشن نے ایسی تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ مہاراجہ نے یہ مطالبات مان کر تحقیقاتی کمیشن ہی مقرر نہیں کیے بلکہ ان کمیشنوں کی سفارشات بھی منظور کیں۔ جبکہ عوامی راج میں انفرادی یا اجتماعی قتل کے سلسلے میں پہلے ہی مرحلے پر تحقیقات کے مطالبے پائے حقارت سے ٹھکرائے جاتے ہیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے دور میں قانون ساز اسمبلی کے جتنے بھی انتخابات ہوئے

بالکل پاک و صاف ہوئے، عوامی راج میں یہاں جتنے بھی انتخابات ہوئے ناپاک اور ناصاف ہوئے۔

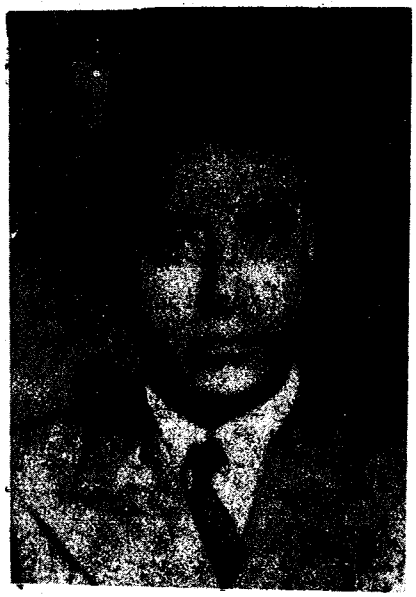
مہاراجہ ہری سنگھ کے دور میں کشمیری عوام آزادی کی لڑائی میں مار ضرور کھاتے تھے اور قید بھی کیے جاتے تھے لیکن ایسے اذیت ناک مرحلوں سے نہیں گزرتے تھے، جیسے عوامی دور میں گزر رہے ہیں۔ کشمیری عوام کو مہاراجہ آزادی مانگنے پر سزائیں ضرور دلاتے تھے لیکن قید خانوں کے بجائے انٹروگیشن سنٹروں میں انہیں نہیں لیا جاتا تھا۔ جہاں نہایت ہی سنگین اور سخت ترین مرحلوں سے گزر کر بعض لوگ جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور اکثر باقی زندگی کے لیے ناکارہ ہو جاتے ہیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ پر دولت اور جائیداد بنانے کا جو الزام لگ سکتا، اس دولت اور جائیداد کا عوامی راج کے حکمرانوں نے ریکارڈ ہی توڑ دیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند کاک ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنا چاہتے تھے۔ وہ اِس ملک کو سوئٹزرلینڈ بنانا چاہتے تھے عوام کے رہنماؤں نے انہیں ایسا کرنے نہیں دیا۔ بلکہ اس نے اپنے ملک کو ہندوستان کی کالونی بنا دیا ــــ یہ سب جان کر اگر مجھے مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر کی یاد نہیں آئے گی تو کس کی آئے گی۔ اگر مجھے رام چند کاک کی یاد نہیں آئے گی تو کس کی آئے گی۔؟

رامچندر کاک اور مہاراجہ ہری سنگھ ریاست کے لوگوں کے حقیقی معنوں میں بہی خواہ تھے، کشمیر کے عوام نے اِن دونوں کو سمجھنے اور جاننے میں جو غلطی کی اس غلطی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہم وقت پر کھرے اور کھوٹے کی تمیز نہیں کر سکے۔ اسی لیے کہنا پڑا۔ تیری یاد آئی تیرے جانے کے بعد۔

شبنم قیوم



(آنریبل رام چند کاک)

باب (۱)

شیخ محمد عبداللہ کی حکمرانی

ڈوگرہ راج سے عوامی راج کا موازنہ

کل تک تھا اپنے جام میں تیرہ شبی کا زہر
آئی سحر تو پھیل گیا روشنی کا زہر

جُز :

صفحہ نمبر

۱۔ عوام کو بحیثیتِ حکمراں اُن سے پہلا واسطہ ۱۵

۲۔ وزیر اعظم کے عہدے کے لیے رہبرِ قوم کا بلیدان ۳۱

۳۔ ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ تعلقات
وزیر اعظم کشمیر کا اہم رُول ۴۵

۴۔ وزیر اعظم کا مہنگا شوق، درگاہ حضرت بل میں
تجدیدِ عہد ۵۵

۵۔ بحیثیتِ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کے دو اہم پہلو ۶۳

۶۔ کشمیر پر عوامی راج کے بھیانک سائے
ہائے کس نے یہ سب ستم ڈھائے ۶۹

۷۔ کشمیر کی سیاست اور کلچرل سرگرمیاں ۸۷

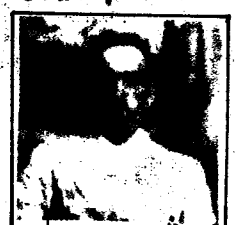
۸۔ ریاست میں قانون ساز اسمبلی کا قیام ۱۰۱

نفس سے صلح کا انجام یہی ہونا تھا
اپنی ہر سانس پہ رہ رہ کے پشیماں ہونا

عوام کو بحیثیتِ حکمراں اُن سے پہلا واسطہ

کشمیری عوام کے ہر دلعزیز لیڈر شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست کے چیف ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے حلف لیا ان کا یہ حلف تاریخ کشمیر کا ایک باب بن گیا۔ برسوں تک ڈوگرہ راج کی مخالفت کرنے کے بعد جب وہ پہلے حکمراں بن گئے تو اس حلف نامے میں ان کے مقاصد واضح ہو گئے۔

"منکہ شیخ محمد عبداللہ ولد محمد ابراہیم، جس کو ایڈمنسٹریٹر بنایا گیا ہے اس امر کا وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہز ہائی نس راجیشور مہاراجہ دھیراج جی سری مہاراجہ دھیراج جی سری مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر اندر مہندر سپر سلطنت انگلشیہ جموں وکشمیر کے حکمراں اور ان کے وارثوں اور جانشینوں کا فرماں بردار رہوں گا اور دیانت داری سے وہ فرائض ادا کروں گا جو مجھ پر عائد کیے جائیں گے۔"



شیخ محمد عبداللہ

شیخ محمد عبداللہ

ریاست کا ایڈمنسٹریٹر مقرر ہونے کے بعد انھوں نے حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں سے خطاب فرمایا اور اس بات کو واضح کر دیا کہ پاکستان کے ساتھ ہمیں کوئی عناد نہیں لیکن ہمارا موقف ہمیشہ یہی رہا ہے کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق کشمیر کے لوگوں کو حاصل ہے اسی لیے ہندوستان سے الحاق کی نوعیت عارضی ہے اور یہ تابع رائے شماری

شیخ عبداللہ نے بحیثیت ایڈمنسٹریٹر اپنے قریبی ساتھیوں کو مختلف فرائض سونپے۔ بخشی غلام محمد کو انہوں نے اپنا نائب مقرر کیا۔ مرزا افضل بیگ کو اسلام آباد۔ صوفی محمد اکبر بارہمولہ، میر مقبول گیلانی اُڑی اور محمد امین وکیل ڈوڈہ کے ایمرجنسی ایڈمنسٹریٹر مقرر کیے گئے۔ غلام محمد صادق ملیشیا کے انچارج بنائے گئے۔ ملیشیا کی تنظیم کا نظم و نسق کرنل عدالت خان کے سپرد کیا گیا۔

شیخ محمد عبداللہ اپنی ایڈمنسٹریشن ترتیب دینے کے بعد وادی کا بگڑا نظام سدھارنے لگے۔ قبائلی حملے کے دوران اُڑی، بارہمولہ اور آس پاس کے علاقوں سے جو ہندو اور سکھ سرینگر میں پناہ گزین تھے۔ انہیں جموں پہنچانے کا بندوبست کرنے لگے۔ کشمیر سے ان رفیوجیوں کو لے جانے کے لیے ۲۲ ٹانگوں کا انتظام کیا گیا۔ ان حالات میں اگرچہ ٹانگہ بانوں نے جموں جانے سے انکار کیا۔ لیکن عوامی حکومت نے انہیں مجبور کیا چنانچہ اسلام آباد کے ٹانگہ بانوں کا قافلہ یہاں سے روانہ ہوگیا۔ واپسی پر جب یہ قافلہ نگروٹہ کے پاس پہنچا تو ان پر غیر مسلموں نے گھات لگا کر حملہ کیا اور انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ کسی طرح ایک تانگہ بان بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے اسلام آباد واپس آکر یہ المناک خبر پہنچا دی تو قصبے میں ایک کہرام مچ گیا۔ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے کشمیر ملیشیا نے اسلام آباد اور آس پاس کے علاقوں کے پنڈتوں کو بچانے میں اہم رول ادا کیا۔ کیونکہ غیر مسلموں کے ہاتھوں مظلوم ٹانگہ بانوں کے قتل کی خبروں نے یہاں مسلمانوں کو سخت مشتعل کر دیا۔ قبل اس کے کہ بعض شرپسند کوئی ناخوشگوار حرکت کرتے ان پنڈتوں کو فوراً حفاظت میں لیا گیا۔ اس دوران جموں سے رونگٹے کھڑے کر دینے والی اطلاعات آرہی تھیں۔



(سردار پٹیل)

۴ر نومبر ۱۹۴۷ء کو سردار پٹیل دہلی سے جموں آئے اور یہاں سے سردار بدھ سنگھ جموں روانہ ہو گئے۔ ۵ر نومبر کو جموں شہر میں منادی کرائی گئی کہ مسلمان پولیس لائن میں حاضر ہو جائیں تاکہ

انھیں بہ حفاظت پاکستان بھیجا جا سکے اس یقین دہانی پر جموں شہر کے مسلمان اپنی بیوی اپنے بچوں، ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بہوؤں کو لے کر حاضر لائن ہو گئے۔ انہیں کوئی ستر ٹرکوں میں سوار کیا گیا۔ ہر ٹرک میں ساٹھ سے پچھتر تک مرد عورتیں بچے سوار کیے گئے۔ سانبہ کے قریب ایک پہاڑی درّے کے پاس ٹرکوں کی یہ کانوائی روک کر سبھوں کو ٹرکوں سے نیچے اُتارا گیا۔ یہاں پہلے ہی مشین گنیں نصب کی گئیں تھیں۔ سارے قافلے کو لائن میں کھڑا ہونے کو کہا گیا۔ جوان کنواری لڑکیوں کو الگ کر کے باقی تمام مردوں، عورتوں بوڑھوں اور بچوں کو گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔

اطلاع کے مطابق شیر خوار بچوں کو ماؤں کی گود میں نیزوں کی انی سے ہلاک کیا گیا، جوان لڑکیوں کو اغوا کر کے مختلف کیمپوں میں لے جا کر ان کی عصمت دری کی گئی۔ کئی خوبصورت جوان لڑکیوں کو غائب ہی کر دیا گیا۔ بعض لڑکیاں کیمپوں سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئیں اس لرزہ خیز واردات کو سن کر مہاتما گاندھی نے سخت احتجاج کیا۔ انھوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو اس بات پر خوب ڈانٹ پلائی کہ ڈوگرہ فوج کے ہوتے ہوئے جموں میں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا گیا۔

جموں کے مسلمانوں کے اس بہیمانہ قتل کا دور دور تک چرچا ہوا تو شیخ عبداللہ بذاتِ خود روانہ ہو گئے۔ یہاں انھوں نے ایک کے بعد ایک کیمپ کا معائنہ کیا، اس دوران انھوں نے کئی جوان لڑکیوں کو مادر زاد ننگا دیکھا۔ جنہوں نے شیخ صاحب کو آتے دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے شرمگاہیں چھپا لیں۔ شیخ عبداللہ ایک کیمپ سے باہر آئے تو سردار بدھ سنگھ انہیں مل گئے جو تحریک کے ایک نامور لیڈر چودھری غلام عباس خاں کی اغوا شدہ بیٹی کو ڈھونڈ رہے تھے۔

شیخ عبداللہ نے انہیں اس کیمپ میں جانے سے روکا جہاں سے وہ ابھی ابھی باہر آئے تھے۔ تاکہ سردار بدھ سنگھ یہاں کی حالت دیکھ کر آپے سے باہر نہ ہو جائیں لیکن سردار صاحب بضد ہوئے اور انھوں نے اسی کیمپ سے خواجہ غلام عباس خاں کی بیٹی کو برآمد کر کے اسے پاکستان بھیج دیا۔

شیخ عبداللہ نے سردار بدھ سنگھ سے تاکید کی کہ وہ ان کیمپوں کا اندرونی حال افشا نہ کریں کیونکہ اس طرح مسلمانوں کے مشتعل ہونے کا احتمال ہے۔

شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ اور مہر چند مہاجن کو جموں میں مسلمانوں کے قتل عام کا موردِ الزام ٹھہرایا لیکن خود ان کے بچاؤ کے لیے کوئی کارروائی کرنے کے بجائے وہ ایک تماشائی مجرم بن گئے۔ جموں کے مسلمانوں کا قتل وغارت اور بچے کھچے مسلمانوں کو پاکستان کی سرحد کے پار دھکیلنے کی کارروائی دیکھ کر کامریڈ کرشن دیو سیٹھی اور موتی بیگڑہ شیخ صاحب سے ملے اور فریاد کی کہ ان مظلومین کو پاکستان بھیجنے کے بجائے ان کے لیے جموں میں رہنے کا انتظام کریں تاکہ جموں کی سیکولر صورت برقرار رہے اور آبادی کا توازن نہ بگڑے۔

سیٹھی صاحب کا کہنا ہے۔ شیخ صاحب ہماری زبان سے ایسا سنکر بگڑ گئے اور کہا "جموں کے مسلمانوں نے کب مجھے اپنا لیڈر مانا ہے کہ میں اُن کی چارہ جوئی کروں"۔ کیا بتاؤں کہ شیخ عبداللہ کے ان الفاظ نے کس قدر صدمہ پہنچایا اور اُن کی طویل قامت شخصیت میری نظروں میں ایک پست قد بالشتیے سے بھی پست ہو کر رہ گئی۔

سیٹھی صاحب نے اپنی کتاب "یادِ رفتہ" میں مزید لکھا ہے:

ایسا ہی ایک اور واقعہ بھی ہے۔ چودھری غلام عباس خاں اور اللہ رکھا ساغر کٹھوعہ جیل میں نظر بند تھے۔ چودھری صاحب کے ساتھ اگرچہ اپنے تعلقات محض رسمی تھے البتہ ساغر صاحب کے ساتھ گہرے مراسم تھے خصوصی طور پر کٹھوعہ جیل میں اکٹھا رہنے کے باعث ہم ایک دوسرے کے قریب آچکے تھے۔ میں نے کٹھوعہ جیل میں ساغر صاحب سے ملاقات کی اور انہیں یہاں رہنے کے لیے راغب کرنے کی کوشش کی، زبان سے اگرچہ انہوں نے کوئی اقرار نہ کیا لیکن میں نے سمجھا کہ اگر مزید کوشش کی جائے تو انہیں اس کے لیے راغب کیا جاسکتا ہے۔ اسی سوجھ بوجھ کی بنیاد پر میں نے شیخ محمد عبداللہ کو تجویز پیش کی کہ ان دونوں حضرات سے اس سلسلہ میں رابطہ قائم کیا جانا چاہیے اور انہیں اس جانب راغب کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ لیکن میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی کہ شیخ عبداللہ نے چند دنوں میں ہی ان دونوں حضرات کو پاکستان بھیجنے اور اُن کی جگہ بریگیڈیر گھنسارام سنگھ اور ٹھاکر سہدیو سنگھ کو یہاں لانے کا قدم اُٹھایا شاید ان کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ چودھری عباس خاں

اور اللہ رکھا ساغر اس طرف رہ کر اقتدار میں ان کے حریف نہ بن جائیں"۔

شیخ محمد اسلم انسپکٹر جنرل پولیس جو قبائلی حملے کے دوران گرفتار کر کے جموں جیل میں محبوس کیے گئے تھے ان کا بیان ہے۔

"جب شیخ صاحب جموں آگئے تو وہ ایک بریگیڈیر اور میجر کو ساتھ لے کر کشمیر انفنٹری کے بنگلے میں آئے جہاں میں محبوس تھا۔ شیخ صاحب اور بیگ صاحب چونکہ مجھے اچھی طرح جانتے تھے انہوں نے میری خیر وعافیت دریافت کی میں نے انہیں بتایا۔

شیخ صاحب! آپ یہ جاننے کے باوجود کہ جموں میں کیا کچھ ہونے والا ہے، یہاں کے مسلمانوں کو شہید کرایا، کیونکہ وہ آپ کے ہمنوا نہ تھے۔ اب ایک بات سن لیں، پتہ نہیں مجھے اور کتنے دن زندہ رہنا ہے کیونکہ میری نظر بندی کا کوئی ریکارڈ تیار نہیں کیا گیا ہے اس لیے آخری بار کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مرنا مجھے بھی ہے اور آپ کو بھی میں میدانِ حشر میں آپ کا گریبان پکڑ کر خدا کی بارگاہ میں عرض کروں گا کہ یا اللہ میں نے اس شخص کو کئی ماہ پہلے حالات سے باخبر کیا تھا کہ جموں میں مسلمانوں کا قتل عام ہوگا اور ہندو اس کے لیے تیاری کر کے منصوبہ بنا چکے ہیں ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں گا کہ اس کے بعد بھی انھوں نے ہندوؤں سے سمجھوتہ کر کے یہ قتل عام کرایا اُس وقت آپ کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ۔ اس پر شیخ صاحب نے کہا اب تو خود میں بھی محفوظ نہیں ہوں۔ حالات ٹھیک نہیں ہیں"۔ میں نے ان سے کہا کچھ بھی ہو اس خون خرابے کے آپ ذمہ دار ہیں آپ اُن کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے یہاں کے مسلمانوں کے قتل پر خاموش تماشائی بن رہے ہیں"۔

شیخ محمد اسلم نے شیخ عبداللہ کے ضمیر کو جھنجھوڑا تو انھوں نے جموں کے ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے پر بھارت سرکار سے یوں شکوہ کیا۔ "اگر ہم آپ کے فرقے کی حفاظت کرتے ہیں تو آپ ایسا کیوں نہیں کرتے ہیں"۔

شیخ عبداللہ نے اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں اس واقعہ کے بارے میں لکھا ہے:

"میں نے مہر چند مہاجن سے کہا اگر آپ ان حرکات سے باز نہیں آئیں گے تو میں آپ کو وزارت سے الگ کروں گا"۔

شیخ عبداللہ نے اس سلسلے میں مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کی اور ان سے شکایت کی کہ وادیٔ کشمیر میں ہم غیر مسلموں کی حفاظت کر رہے ہیں جبکہ یہاں آپ

مسلمانوں کا خاتمہ کرا رہے ہیں۔"

مہاراجہ نے ان سے کہا یہ شکایت مجھ سے نہیں بلکہ جاکر سردار پٹیل سے کرو۔

شیخ عبداللہ کی یہ شکایت کچھ اس نوعیت کی تھی گویا یہ کوئی اہم واقعہ نہیں تھا۔ ہندوستان کے ایک بہت بڑے سیاسی لیڈر سردار ولبھ بھائی پٹیل کی موجودگی میں گویا ہزاروں کی تعداد میں نہتے مسلمانوں کو گولیوں سے اُڑا یا نہیں گیا تھا۔ عورتوں کا سہاگ مٹایا نہیں گیا تھا۔ شیر خوار بچوں کو ماؤں کی گود میں برچھیوں سے چھیدا نہیں گیا تھا اور پاک دامن کنواری لڑکیوں کی عصمت داغدار نہیں کی گئی تھی۔

شیخ عبداللہ کا اس قدر المناک وحشتناک اور دردناک واقعہ کے بارے میں شکوہ شکایت سے ایسا لگ رہا ہے گویا کسی شکاری نے بندوق سے چند پرندوں کو مار ڈالا ہو۔

سرزمین جموں وکشمیر کے لوگوں سے شیخ عبداللہ کی حکمرانی کا یہ پہلا واسطہ تھا قبائلی حملہ آوروں کے بارے میں انھوں نے ساری دنیا کو سر پر اٹھا لیا اور انجمن اقوام متحدہ میں جاکر شور مچایا مگر جموں کے ہزاروں مسلمانوں کے قتل وغارت گری پر مہاراجہ سے صرف شکوہ کیا۔ مہرچند مہاجن سے فقط شکایت کی اور کانگریس سے محض گلہ کیا کہ اگر ہم آپ کے فرقے کی حفاظت کرتے ہیں تو آپ بھی ایسا ہی کیوں نہیں کرتے؟ اتنے بڑے حادثے اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعہ کے بارے میں ریاست جموں وکشمیر کے ایڈمنسٹریٹر جناب شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے ابتداہی میں اپنی بے بسی، لاچاری اور مجبوری دکھاذی آگے جاکر اس نے قدم قدم پر ان کے سامنے رُکاوٹیں ڈالدیں۔ کشمیر کے چالیس لاکھ عوام کے لیڈر شیر دل عبداللہ کی حکمرانی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے انسانیت سوز جرائم کے لیے مہاراجہ ہری سنگھ اور مہرچند مہاجن کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا ذکر کیا تو مرکزی سرکار کے ایک ملازم وزیر داخلہ کے سکریٹری نے انھیں اس قسم کی حرکت سے باز آنے کو کہا۔ اور کشمیر کے شیر نے فوراً باز آکر دوبارہ ایسی بات زبان پر لانے سے توبہ کرلی۔ لیکن ان کی یہ توبہ قبول نہیں ہوسکی مرکزی سرکار نے ان کی اس حرکت کا سخت نوٹس لیا۔ یہاں تک کہ شیر کشمیر کی حکمرانی مشکلات سے دوچار ہوگئی۔

شیخ عبداللہ کے بارے میں ایسی سنگین کاروائی ہونے لگی کہ اگر مہاتما گاندھی مداخلت نہیں کرتے تو انہیں مسلمانوں کے قتل عام کی شکایت پر شٹ اوٹ کر دیا گیا ہوتا۔

مہاتما گاندھی کو شیخ عبداللہ کے بچاؤ میں کہنا پڑا۔

"ایک طرف شیخ عبداللہ اتنے بڑے اور مشکل کام میں جُٹا ہوا ہے دوسری طرف ان کے خلاف اناپ شناپ کہا جارہا ہے۔"

مہاتما گاندھی کی سرزنش کے باوجود جب ہندوستان کی کابینہ کے بعض ارکان شیخ عبداللہ کے خلاف میدان میں اُتر آئے تو پنڈت نہرو جو ان کی بھرپور طرف داری کر رہے تھے، کی بھی بولتی بند کی گئی۔

ان ممبران نے مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو کے سامنے واضح کر دیا کہ:

"شیخ عبداللہ سے زیادہ مہاراجہ ہری سنگھ پر اعتماد کیا جانا چاہیئے۔"

اس بات پر مرکزی کابینہ میں کافی بحث ومباحثہ ہوا اور جب شیخ عبداللہ کی وفاداری پر شک کا اظہار کرکے انہیں ایک خطرہ سمجھا جانے لگا تو مہاتما گاندھی کو دوبارہ مداخلت کرنا پڑی۔

انھوں نے شیخ صاحب کی صفائی میں کہا:

"اصول کے معاملے پر سمجھوتہ کرنے سے کہیں زیادہ اصول کی خاطر خطرہ مول لینا بہتر ہے۔"

شیخ عبداللہ کے بچاؤ میں مہاتما گاندھی کی یہ دلیل اس بات کا اشارہ دیتی ہے کہ وہ بھی شیخ عبداللہ کو ایک خطرہ سمجھ رہے تھے البتہ شیخ صاحب کے الحاق کے بارے میں ان کا کارنامہ مدنظر رکھ کر وہ خطرہ مول لینے کی رعایت انہیں ضرور دے رہے تھے۔

مہاتما گاندھی کی اس دلیل کے باوجود بھارت سرکار کے بعض رہنماؤں نے شیخ عبداللہ کو مختلف الجھنوں میں ڈال دیا۔ کیونکہ انھوں نے جموں میں مسلمانوں کے قتل عام پر شکوہ کیا تھا۔ سردار پٹیل اور پنڈت پنت نے جواہر لال نہرو کی اس خواہش کی شدید مخالفت کی کہ شیخ ریاست کی حکمرانی اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ ان دونوں لیڈروں نے پنڈت جی سے کہا مہاراجہ ہری سنگھ کو بدستور ریاست کا حکمراں رہنا چاہیے۔ مگر پنڈت نہرو نے ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ نہرو شیخ عبداللہ کے بارے میں نرم گوشہ ضرور رکھتے تھے۔

شیخ صاحب نے مرکزی سرکار کے پاس اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لیے مسلم کانفرنسیوں کو عتاب کا نشانہ بنانے کی کاروائی شروع کی تاکہ مرکزی لیڈروں کو ان کے بارے

میں جو غلط فہمی ہوئی ہے وہ دور ہو سکے۔ سرینگر کے ان علاقوں میں جہاں مولوی خاندان کے حمائیتیوں کی اکثریت ہے۔ یعنی جو بکرے کہلاتے ہیں، وہاں کرفیو نافذ کیا گیا جو مسلسل چھ دنوں تک جاری رہا۔ اس دوران غلام نبی گلکار کی گرفتاری کے لیے سارا علاقہ چھان مارا گیا جو صرف چند روز قبل رہا کیے گئے تھے۔ یہی وہ غلام نبی گلکار تھے جو اکتوبر کے پہلے ہفتے میں شیخ صاحب کے ساتھ کشمیر کی آزادی کے لیے مہاراجہ ہری سنگھ کی گرفتاری کا پلان بنا رہے تھے، مہاراجہ نے اقتدار کی روٹی شیخ عبداللہ کی طرف کیا ڈالدی کہ وہ اسی غلام نبی گلکار کو پکڑوانے میں سرگرم ہو گئے جن کا وہ محسن بھی تھا۔

غلام نبی گلکار کو گرفتار کر کے ان کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔

شہر کے اندرونی علاقوں میں کرفیو کی آڑ میں رات کے وقت کئی گھرانوں میں اچانک چیخنے چلانے اور رونے کی آوازیں آتیں تو اندازہ یہی کیا جاتا شاید صاحب خانہ کی گرفتاری کے لیے اس گھر پر چھاپہ مارا جا رہا ہے۔ اصل میں صاحب خانہ کی گرفتاری کے ساتھ یہاں خواتین کے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی ہو رہی تھی۔

چھ دنوں کے کرفیو کے دوران پینتالیس مرد جن میں کئی جوان لڑکے اور طالب علم تھے گرفتار کر لیے گئے۔ اس دوران کئی خواتین کی عصمت دری بھی کی گئی۔ یہ چرچا ابھی جاری تھا کہ رام باغ کے پاس ایک دلدوز واقعہ رونما ہوا۔

ہندوستانی فوج کی پہلی بٹالین جو زیادہ تر سکھوں پر مشتمل تھی۔ ایک دستے کو رام باغ پل کی حفاظت کے لیے متعین کیا گیا۔ سلک فیکٹری روڈ پر سپاہی گشت لگا رہے تھے کہ ان کی نظر بند پر کئی جوانوں پر پڑی جو دائرہ بنا کر شاید جوا کھیل رہے تھے۔ سپاہیوں نے ان پر دائرہ تنگ کر کے انہیں دبوچ لیا اور پھر پکڑ کر انہیں ان خندقوں میں لائے جو انھوں نے اپنے تحفظ کے لیے بنائی تھیں۔ پکڑے گئے یہ سبھی جوان پیس بریگیڈ کے ساتھ وابستہ تھے سپاہیوں نے خندقوں میں پہلے ان جوانوں کے ساتھ بدفعلی کی پھر انہیں جان سے مار ڈالا۔ ۱۲ پیس بریگیڈ جوانوں میں سے صرف ایک جوان زخمی حالت میں بھاگنے میں کامیاب ہوا چنانچہ جب دوسرے جوانوں کے لاپتہ ہونے کی افواہ پھیلی تو سپاہیوں کے نرغے سے چھوٹنے والے جوان اکبر وانی نے اس بات کا انکشاف کیا کہ رام باغ پل پر تعینات سپاہیوں نے انہیں چند روز قبل پکڑ لیا تھا۔

لاپتہ جوانوں کے قریبی رشتے دار اور دوسرے لوگ جب رام باغ پل کی طرف روانہ ہو گئے تو یہاں سپاہیوں کی جگہ خالی خندقیں تھیں۔ ان خندقوں کی تلاشی لی گئی تو گیارہ جوانوں کی لاشیں نکالی گئیں۔

ان کی نشان دہی کی گئی تو گیارہ میں سے صرف ایک کی نشاندہی نہیں ہو سکی باقی دس کے نام اس طرح تھے:۔

غلام احمد ریشی لاری ڈرائیور۔ غلام احمد پہلو، غلام قادر وانی، راجندر ناتھ ۔ محمد صدیق بیگ، عبدالعزیز ڈار، محمد رمضان خاں۔ ریشی ڈار۔ عبدالرحمان میر اور عبدالخالق مغل۔

خندقوں سے ان لاشوں کی برآمدگی سے یہاں ایک کہرام سا مچ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ بات سارے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق یہاں آ گئے۔

عورتیں سینہ کوبی کرنے لگیں، مرد مرثیہ خوانی کرنے لگے۔ بیشتر لوگ انڈین آرمی اور شیخ محمد عبداللہ کی ناشائستہ اور نازیبا الفاظ کے ساتھ مذمت کرنے لگے۔ ان لاشوں کو اٹھا کر لوگ جلوس کی صورت میں لال چوک کی طرف لے چلے۔ جلوس میں شامل مرد عورتیں مرثیہ خوانی کرنے کے ساتھ ساتھ شیخ و زارت کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ بعض لوگ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا کر دل کی بھڑاس نکال رہے تھے۔

لاشوں کو لے کر جب جلوس لال چوک پہنچا تو یہاں مشتعل ہجوم کی نظر شیخ محمد عبداللہ کے اس ماٹو پر پڑی جس میں شیخ عبداللہ کو گھوڑے پر سوار نیشنل کانفرنس کا جھنڈا کندھے کے ساتھ لگا کر دکھایا گیا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس ماٹو پر پتھراؤ شروع ہو گیا جن لوگوں کو پتھر نہیں ملے انہوں نے اپنے پھٹے پرانے جوتے اس تصویر کو لگائے یہ بورڈ گر کر جب زمین بوس ہو گیا تو کئی من چلوں نے اس پر چڑھ کر ایک طرح سے اس تصویر کو پاؤں تلے روندا جس نے بھارتی فوجوں کو کشمیر لا کر کشمیری جوانوں کا یہ حشر کرایا تھا۔ ان لوگوں کی نظر میں بھارتی فوج کو یہاں منگوانے کی کارروائی میں شیخ محمد عبداللہ قصوروار تھے، لہٰذا وہ اپنی ناراضگی کے اظہار میں ان کی تصویر کی مار پیٹ کر رہے تھے، جب اس طرح بھی ان کا جی نہیں بھرا تو اس ماٹو کو نذر آتش کیا گیا۔

نیشنل کانفرنس کے ورکر صبر و تحمل سے یہ سارا کھیل دیکھ رہے تھے۔ اس اندیشہ کے پیش نظر کہ یہ آگ اندرونی شہر میں نہ پھیل جائے بخشی غلام محمد اور بخشی رشید والنٹیروں کی ایک جمعیت لے کر نوہٹہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اگلے روز شیخ عبداللہ لفٹننٹ جنرل جے، پی، سین اور بخشی غلام محمد کے ہمراہ راجباغ کے پاس جائے واردات پر آئے تو یہاں لوگوں کا جمگھٹا ہوا۔ ان لوگوں نے شیخ عبداللہ کے ساتھ ہی بھارت کے خلاف بھی نعرے بلند کیے۔ قبل اس کے کہ حالات قابو سے باہر ہو جاتے شیخ صاحب نے اپنی روانگی کے ساتھ ہی مظاہرین کو گرفتار کرنے اور علاقہ میں کرفیو نافذ کرنے کی ہدایت دیدی۔

سپاہیوں نے فوراً علاقہ کی ناکہ بندی کر کے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا۔ شام گئے تک ساٹھ آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

شیخ عبداللہ نے اس واردات کی تحقیقات کے لیے تین افراد پر مشتمل جو کمیٹی بنائی اس کو مسلم کانفرنس نے ماننے سے انکار کیا۔ کیونکہ اس میں دو فوجی آفیسر کرنل موہن سنگھ اور میجر ہوشیار سنگھ کے ساتھ کشمیری پنڈت رہنما پنڈت جیا لال کلم ایسے افراد تھے جن کی رپورٹ ان کے لیے قابلِ قبول نہ تھی۔

مسلم کانفرنس کے بعض لیڈر جنہوں نے پوسٹروں کے ذریعے اس کمیٹی پر عدم اعتماد کیا اور شیخ عبداللہ پر بھارتی فوج کی طرفداری کرانے کا الزام لگا کر انہیں اپنی غلطی تسلیم کر کے اس فوج کو واپس کرنے کا الٹی میٹم دیا تھا۔ اس سے سیخ پا ہو کر شیخ عبداللہ نے پرتاپ پارک کی ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے غلط افواہیں پھیلانے والوں کو سخت وارننگ دی۔ انھوں نے حسب عادت اصل واقعات سے منہ موڑ کر لوگوں کو فتنہ پردازوں اور فرقہ پرستوں سے خبردار رہنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے مسلم کانفرنسیوں کو پوسٹر بازی اور افواہ طرازی سے باز نہیں آنے تو سنگین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنے کی وارننگ دی۔

شیخ عبداللہ کی یہ دھمکی اور وارننگ ابھی گشت ہی کر رہی تھی کہ اسی سکھ رجمنٹ نے جو رام باغ سے نکال کر بارہمولہ روانہ کر دی گئی تھی۔ چھتہ بل سے پٹن تک جگہ جگہ طوفانِ بدتمیزی کا مظاہرہ کیا، عورتوں کے ساتھ چھیڑ خانی کے دوران جن افراد نے انہیں ایسا کرنے سے

روکا انہیں ایسا مزہ چکھایا کہ اُسے وہ عمر بھر یاد کرتے رہے۔ ان میں ایک مجاہد آزادی غلام احمد بیگ نون، ان کے دو ماموں سردار محمد خان اور عبدالعزیز خان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔

سکھ رجمنٹ کے بعض سپاہیوں کی راستے میں دراز دستی روکنے کی پاداش میں کسی کا بازو توڑ دیا گیا تو کسی کی ٹانگ کاٹ دی گئی۔

ریاست کے اندر بھارتی فوجیوں کی بعض نامناسب کاروائیاں جب نیشنل کانفرنس کے لیے بدنامی کا باعث بن گئیں تو کچھ مدت کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو کو لکھ دیا۔ چونکہ کشمیر میں فوجی کاروائی مکمل ہو گئی ہے۔ اور حملہ آوروں سے کشمیر خالی ہو گیا ہے لہٰذا کشمیر سے بھارتی فوج کو واپس بلا لیا جائے۔ بقول عتیق صدیقی سابقہ ممبر پارلیمنٹ، پنڈت نہرو نے شیخ صاحب کو اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ ڈیفینس سکریٹری نے شیخ صاحب کو پنڈت نہرو کی ناراضگی سے مطلع کر کے آئندہ اس قسم کی بات چھیڑنے سے منع کیا تاکہ باہمی تعلقات خراب نہ ہو سکیں۔

شیخ صاحب نے اس سلسلے میں اپنی کابینہ سے مشورہ کیا تو کرنل عدالت خان نے شیخ صاحب سے کہا۔

"شیخ صاحب! ہم نے پہلے ہی آپ کو خبردار کیا تھا۔ ایک بار کسی ملک میں فوج داخل ہوتی ہے تو اسے صرف فوج نکال سکتی ہے اور کوئی نہیں۔ بھارتی فوج اب یہاں سے جانے والی نہیں آپ نے جو بیج بویا اس کا پھل کھانا ہے۔"

شیخ صاحب نے کرنل عدالت خان کے طنزیہ لہجے میں بات کرنا نوٹ کر لیا اور وقت مقرر پر انھیں ریاست بدر کر کے پاکستان بھیج دیا۔

شہر سرینگر پر قبائلیوں کے حملے کا خطرہ مکمل طور ٹل گیا تو حکومت نے صوبہ جموں کے بدترین بگڑے ہوئے حالات اور بچے کھچے بے یار و مددگار مظلوم و مجبور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے عملی اقدام شروع کیے چنانچہ نائب وزیر اعظم بخشی غلام محمد کی سرکردگی میں نیشنل کانفرنس کے والنٹیروں کا ایک دستہ جموں پہنچ گیا۔ پورا جموں صوبہ فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں تھا۔ ڈوگرہ فوج اور آر، ایس، ایس کے جوانوں کے ساتھ کٹر ہندو اور سکھوں نے جموں کی حالت بگاڑ کر اس کا سارا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ بخشی صاحب نے جموں آتے ہی ڈوگرہ فوجوں کو ہٹا کر اس کی کمان ہندوستانی فوج کے ہاتھ میں

دیدی۔ حساس علاقوں میں انہوں نے نیشنل کانفرنس کے والینٹروں کو متعین کیا جموں کے کئی دانشوروں، صحافیوں، وکیلوں اور ادیبوں کی مدد سے اُجڑے ہوئے لوگوں کو دوبارہ بسانے اغوا شدہ خواتین اور لڑکیوں کو برآمد کرنے میں مدد دی۔ کئی ویلفیئر سنٹر قائم کیے گئے۔ اور قلیل عرصے میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان عورتیں اور لڑکیاں برآمد کی گئیں، جنہیں ان کے رشتے داروں تک پہنچانے کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے۔ جن خواتین اور لڑکیوں کا کوئی رشتہ دار زندہ نہیں بچا تھا۔ انھوں نے نیشنل کانفرنس کے والینٹروں کے ساتھ بیاہ کرنے میں رضامندی دکھائی۔

صوبہ جموں میں فرقہ پرستوں کے پاگل پن نے جو خون خرابہ بپا کیا تھا اس نے بعض غیر مسلموں کو بھی شرمسار کر دیا تھا۔ کئی غیر مسلموں نے مسلمان خواتین اور مردوں کو اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ علاقہ جموں کے کئی لوگوں نے مسلمانوں کو اپنے ہاں چھپا کر ان کی جان اور عزت کی حفاظت کی تھی۔

بخشی غلام محمد نے گردھاری لال آنند کو پولیس کا ایڈوائزر نامزد کر کے ساری پولیس فورس ان کی تحویل میں دیدی اور انھیں ایسے اختیارات تفویض کیے جن کے لیے عام حالات میں کیبنٹ کی منظوری ضروری ہوتی، لیکن حالات کی نزاکت کو دیکھ کر ایسا ضروری سمجھا گیا اور اس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے۔ گردھاری لال آنند کی معیت میں پولیس ایسی سرگرم ہوگئی کہ انھوں نے نہ صرف بے شمار خواتین کو برآمد کیا بلکہ لاکھوں روپے کا لوٹا ہوا مال بھی برآمد کیا۔


(بخشی غلام محمد)

نیشنل کانفرنس کے والینٹر فورس (پیس بریگیڈ) کی طرز پر جموں میں نیشنل اسٹوڈنٹس یونین بنائی گئی جو رضاکارانہ کام پر مامور ہوگئی ان میں، ملک راج صراف۔ گردھاری لال ڈوگرہ۔ کرشن دیو سیٹھی، وید بھیشن، امرناتھ بجار دواج، وید پال دیپ، نیلامبر دیو شرما، وشوا ناتھ کھجوریہ، منموہن کھجوریہ، چونی لال کھجوریہ، بلراج پوری، بلدیو پرشاد شرما، تلک راج اتری، ہرنام سنگھ بھگت چھجو رام، جگت رام آرین، چودھری رنگیلا رام، نرلوچن دت، ماسٹر روشن لال،

کموتوال تیج رام، موتی رام ہیگڑہ۔ ٹھاکر کرتار سنگھ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

کشمیر کے دانشوروں، ادیبوں، شاعروں اور دیگر فنکاروں نے جموں میں کلچرل شو کر کے لوگوں کا ذہن فسادات کی تباہ کاریوں سے موڑنے میں اہم رول ادا کیا۔

بخشی صاحب کے واپس آنے کے بعد شیخ صاحب جموں تشریف لے گئے اور تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد انھوں نے پبلک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"ہمارے سینکڑوں جوانوں نے پاکستانی حملہ آوروں کا مقابلہ کر کے اپنی عزیز جانیں قربان کیں، مجھے آپ کے "مہاراجہ بہادر کی جے" کے نعرے سے کوئی اختلاف نہیں میری چاہت یہی ہے کہ وہ ساری ریاست کے مہاراجے بنے رہیں۔ مگر آپ نے انہیں محدود بنایا۔ آپ نے مسلمانوں سے علاقے خالی کروائے اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہاں کوئی مسلمان نہ رہے کوئی مسلمان چل پھر نہ سکے تو اس میں ہماری طرف سے آپ لوگوں پر کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ جو ہندو یہ کہتے ہیں کہ جموں سے ہرگز رنے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ دس بار "جے رام جی کی" کہے، اس کی چوٹی دیکھی جائے اور بطور امتحان رامائن کے اشلوک سنائے میں اُس ذہن کے کوتاہ اندیش لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ایک خطرناک کھیل، کھیل رہے ہیں۔

پاکستان کے نام پر معصوم عوام کو اُکسانے والے لیڈر جو پہلے ہی آپ کے ہاتھوں سے نکل چکے ہیں اس کے بجائے آپ نے شری کرشن بھگت گئو ماتا کی رکھشا کرنے والے گئو پال گوجروں پر ہاتھ اُٹھایا۔ ہزاروں کی تعداد میں انہیں ریاسی کٹھوعہ اور ادھم پور سے صاف کیا انھیں جنگلوں سے لالا کر قتل کیا اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ اچھا ہوا تو مجھے کوئی گلہ نہیں۔ اب بھی آپ اپنا کام جاری رکھیے۔ ہم بچے کھچے مسلمانوں کی گردنیں بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ شوق سے قتل کیجیے لیکن یہ ان ہزاروں ہندوؤں کے بچانے کا ڈھنگ نہیں جو ریاست کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔

میں اُن مسلمانوں کو غدارانِ وطن سمجھتا ہوں جو ریاست میں اسلامی راج کے خواہاں ہیں اسی طرح وہ ہندو ملک اور ریاست کا دشمن ہے جو کہتا

ہے یہاں ہندو راج ہوگا اگر یہی ہوتا ہے تو آپ لوگ صاف گوئی سے کام لیں آپ کو پورا حق ہے کہ آپ اپنے وطن میں جس طرح چاہیں رہیں اگر میں مسلم نیشنل گارڈ کو ہندوستان کی عزت و آبرو کے لیے خطرناک سمجھتا ہوں تو کوئی وجہ مجھے یہ کہنے سے روک نہیں سکتی کہ راشٹریہ سیوک سنگھ بھی انتہائی خطرناک فاشسٹ جماعت ہے، اور جب تک میری جان میں جان ہے میں کسی فرقہ وارانہ جماعت کو ایک قدم بھی چلنے نہیں دوں گا۔"

شیخ صاحب کی اس تقریر سے بچے کھچے مسلمانوں کے حوصلے کسی قدر بحال ہوئے غیر مسلموں نے بھی کٹر ہندوؤں اور فسادیوں پر کڑی نگاہ رکھ کر حالات کو سدھارنے میں بڑی مدد دی۔



(۱) ملک راج صراف
(۲) گردھاری لال ڈوگرہ
(۳) بلدیو پرشاد شرما
(۴) نرلوچن دت
(۵) کرشن دیو سیٹھی
(۶) وید بھسین



(۱) بلراج پوری (۲) ہری رام شرما (۳) موتی رام بیگڑہ

(۴) نیلمبر دیو شرما (۵) وشوا ناتھ کھجوریہ (۶) ماسٹر روشن لال

فطرتِ مجبور کو اپنے گناہوں میں ہے شک
وا رہے گا کب تلک توبہ کا در میرے لیے

وزیر اعظم کے عہدے کے لیے رہبرِ قوم کا بلیدان

سردار پٹیل ریاست میں میسور طرز کی ایک عبوری حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ جس میں مہاراجہ ہری سنگھ اور وزیر اعظم مہر چند مہاجن کو شیخ عبداللہ پر بالادستی حاصل ہوتی، شیخ عبداللہ نے اس تجویز کی مخالفت کی۔

مرکزی سرکار کے بعض لیڈر شیخ محمد عبداللہ کو بے بھروسا سمجھ کر ان پر زیادہ اعتبار کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ رائے شماری کے بارے میں شیخ صاحب اور پنڈت نہرو کی UNDER STANDING کے باوجود بین الاقوامی سطح پر اس رائے شماری کے بارے میں کشمیری عوام کو جو بھروسا دیا گیا تھا۔ اور اس بارے میں مرکزی سرکار نے دوسروں کی نظروں میں اپنے آپ کو پابند بنا دیا تھا۔ اس پابندی سے چھٹکارا پانے کے لیے مرکزی سرکار کے بعض لیڈر جلدی جلدی چھٹکارا پانا چاہتے تھے۔



(شیخ محمد عبداللہ)

شیخ محمد عبداللہ اور رائے شماری کے بارے میں مرکزی سرکار میں شامل بعض حکمراں جس طرح سوچا کرتے تھے اس کا اشارہ ہمیں اجیت پرشاد جین ریلیف اینڈ ریہابلیٹیشن منسٹر کی کتاب KASHMIR WHAT REALLY HAPPENED میں لکھتے ہیں :-

"ستمبر ۱۹۴۷ء میں شیخ محمد عبداللہ نے تین سال کی قید سے رہائی چاہنے کے دوران

مہاراجہ ہری سنگھ کو لکھا ..... میں ایک بار پھر جناب والا کو اپنی مکمل تابعداری کا یقین دلانے کی اجازت چاہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ جناب والا کی قیادت میں خدا مجھے یہ موقع فراہم کرے کہ میں صدیوں تک اس وطن میں امن و امان اور خوش حالی اور اچھی حکومت دیکھ سکوں ..... !

دراصل شیخ عبداللہ نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ جب تک ہری سنگھ مہاراجہ بنے رہیں گے تب تک ان کا بھرپور اقتدار حاصل کرنے کا خواب پورا نہیں ہو سکتا، اُدھر مہاراجہ ہری سنگھ کو وہم تھا کہ شیخ عبداللہ کو اقتدار و اختیار دینے کے ساتھ ہی اُن کا اپنا اقتدار و اختیار دب جائے گا، سردار پٹیل نے دونوں میں توازن پیدا کرنے کے لیے تجویز پیش کی کہ مہاراجہ بحیثیت ریاست کا آئینی سربراہ کام کرے گا اور شیخ محمد عبداللہ بحیثیت وزیر اعلیٰ مہاراجہ کو اپنے مشوروں اور ذاتی مدد سے نوازتا رہے گا۔ اس کے بدلے میں شیخ عبداللہ کو مہاراجہ کی خاندانی حکومت کو برقرار رکھنے کی گارنٹی دینا ہوگی۔ مہاراجہ نے یہ شرط پیش کی وزیر اعلیٰ کے کہنے پر کیبنٹ کا اجلاس منعقد ہوگا۔ اجلاس میں مہاراجہ کے دیوان کو صدارت کی کرسی پر بٹھایا جائے گا مگر شیخ عبداللہ نے یہ تجویز ماننے سے انکار کیا کیونکہ اس طرح وہ اجلاس میں ایک تماشائی کا رتبہ رکھتے تھے۔

غرض اقتدار و اختیار کی اس جنگ میں مہاراجہ کو ہی جھکنا پڑا کیونکہ بھارت سرکار شیخ عبداللہ کے ساتھ ناراضگی مول لینا نہیں چاہتی تھی .....

..... شیخ عبداللہ کو ناراض کر کے اُسے "رائے شماری" میں ریاست سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ کیونکہ ریاستی عوام شیخ عبداللہ کے اشاروں پر ناچتی تھی اور شیخ عبداللہ کب کیا کروٹ لے۔ اس کا اندازہ کسی کو نہ تھا۔"

سردار پٹیل کی تجویز کے ساتھ اختلاف کر کے شیخ عبداللہ نے پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک خط کے ذریعے مطلع کیا۔

"..... اگر ریاست میں رائے شماری ہوتی تو ہمیں اس صورت میں ریاست کی آبادی کی اکثریت یعنی مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنا ہوگی۔ جموں میں

جو حال ہی میں پالیسی اپنائی گئی ہے اس نے بھی وہاں کے مسلمانوں کو ہم سے ناراض کیا ہے دوسرے حصوں میں بھی ناراضگی پھیل رہی ہے اس ساری صورت حال کو سدھارنے کا صرف میں ہی مؤثر رول ادا کر سکتا ہوں۔"

شیخ عبداللہ کا یہ خط دور رس نتائج کا حامل ہے۔ اس سے جہاں کشمیر کے سب سے بڑے اور ہر دل عزیز لیڈر کی بے بسی اور لاچاری کی جھلک ملتی ہے، وہاں اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہ مرکزی سرکار کو رائے شماری کے شوشہ سے ڈرا کر اس کے بدلے ان سے زیادہ اختیار مانگ رہے ہیں۔

کشمیری عوام کی چاہت اور مرضی کے خلاف اقدام کر کے شیخ عبداللہ نے کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ وابستہ کر کے جو کارنامہ انجام اور اس کے باوجود بھی وہ ان سے اختیارات کی جو بھیک مانگ رہے تھے۔ وہ ان کے ساتھ ساری قوم کی بے عزتی کے مترادف تھا۔ اور ایسی بے عزتی ایک غیرت مند شخص ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔

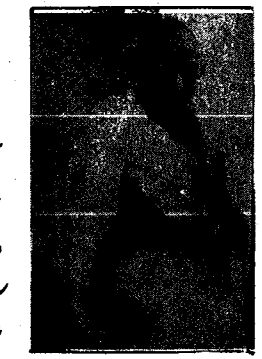
پنڈت نہرو شیخ عبداللہ کا مطلب تاڑ گئے اور وہ "اس ہاتھ دے اور اُس ہاتھ لے" والی پالیسی اپنانے لگے۔ انھوں نے شیخ عبداللہ کو اختیارات تفویض کرنے کے لیے ان کی درخواست پر سفارشی نوٹ لکھ کر سردار پٹیل کو بھیجدیا۔

وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے پنڈت نہرو وزیر اعظم ہند کی یہ سفارش خلاف توقع مسترد کر دی۔

سردار پٹیل شیخ عبداللہ کو کسی بھی صورت میں ایسے اختیارات دینا نہیں چاہتے جن سے مہاراجہ یا وزیر اعظم مہاجن کے اختیارات متاثر ہوں ۔ بھلے ہی سے شیخ صاحب نے بھارت کے ساتھ الحاق کیا ہو، لیکن وہ ہوم منسٹر کی نظروں میں ہرگز اتنے بھروسہ مند نہیں تھے جتنے کہ مہاراجہ اور مہاجن۔

سردار پٹیل کے اس رویّے سے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو ناراض ہو گئے نتیجے کے طور پر وزیر اعظم اور ہوم منسٹر کے درمیان اس معاملے میں اختلاف پیدا ہو گئے جذبات میں آ کر ہوم منسٹر نے وزارت سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا اور استعفیٰ کا خط بھی لکھ دیا۔

مہاتما گاندھی تک یہ بات پہنچ گئی تو انہوں نے فوری طور مداخلت کر کے سردار پٹیل



کو تدبّر سے کام لینے کا مشورہ دیا۔ لیکن سردار پٹیل کسی بھی صورت میں شیخ عبداللہ کو مکمل اختیارات دینے پر راضی نہ ہوئے۔

دہلی سے شیخ عبداللہ کو بلاوا آگیا ۱۸ر فروری ۱۹۴۸ء کو جب شیخ صاحب دہلی پہنچ گئے تو پنڈت نہرو نے ان کے سامنے ساری سچویشن رکھدی اور پھر اُن کے سامنے صاف صاف کہہ دیا۔ وہ سردار پٹیل کو استعفیٰ واپس لینے کے لیے (کشمیری قوم کا ادھیکار دے کر) منائیں۔ سردار پٹیل کے ہاں جانے سے شیخ صاحب ہچکچائے تو پنڈت نہرو نے جمنا داس اختر جو اس وقت یہاں موجود تھے، انہیں شیخ صاحب کے ساتھ سردار کی کوٹھی پر جانے کے لیے کہا چنانچہ جب جمنا داس اختر کے ہمراہ شیخ صاحب سردار کی کوٹھی پر انھیں منانے آئے تو ان کی ٹانگیں آگے بڑھنے سے جواب دینے لگیں۔

جمنا داس اختر کا کہنا ہے کہ میں نے کشمیر کے "شیر" کو حوصلہ دیا اور بزدلی کے آثار زائل کر کے جب وہ کوٹھی کے اندر داخل ہوئے تو گرجا شنکر نے ہمیں ویٹنگ روم میں بٹھا دیا اور ہماری آمد کی اطلاع دینے اندر گئے۔

کچھ دیر بعد ہمیں اندر بلایا گیا۔ سردار صاحب اس وقت بیڈ روم میں آرام کر رہے تھے ایک دوسرے کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد شیخ کمال انکساری سے ان سے بولے

"میں نے سُنا ہے آپ میری وجہ سے وزارت سے استعفیٰ دے رہے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے۔ تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو میرے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے یا ہو سکتا ہے آپ کو میرے بارے میں غلط اطلاعات پہنچائی گئی ہیں۔"

"نہیں، نہ مجھے آپ کے بارے میں کوئی غلط فہمی ہے اور نہ ہی کسی نے مجھے آپ کے بارے میں کوئی غلط اطلاع پہنچائی ہے۔ یہ آپ سے کس نے کہا؟"

"یہ بات بھی درست نہیں کہ میں آپ کی وجہ سے وزارت سے استعفیٰ دے رہا ہوں۔" شیخ صاحب نے کہا۔

"میں آپ سے ایک استدعا کروں گا کہ آپ اس وقت جبکہ ملک نازک

دور سے گذر رہا ہے، اپنا فیصلہ بدل دیں اس وقت ملک کو آپ جیسے مہان لیڈر کی ضرورت ہے، رہی میری بات میں یہ ثابت کر کے دے سکتا ہوں کہ میں بھارت کا مہاراجہ ہری سنگھ سے زیادہ وفادار اُن سے کہیں زیادہ فائدہ مند ہوں۔"

"کیسے ۔۔۔؟" سردار پٹیل نے بے ساختہ پوچھا۔

"آپ تو جانتے ہیں کہ مسئلہ کشمیر کا حل تا بع رائے شماری رکھا گیا ہے اوّل تو ایسا ہونا نہیں چاہیے تھا اور آپ جانتے ہیں میں نے ابتدا میں اس کی شدید مخالفت کی تھی لیکن پنڈت نہرو اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے بھروسے پر میں نے یہ تجویز قبول کر لی۔ ویسے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اس کے بارے میں جو دعوے ہندوستان کے رہنماؤں نے کیے اس کے تحت کبھی نہ کبھی رائے شماری کرانی پڑے گی۔"

سردار پٹیل نے فوراً کہا۔ "یہ تو آپ کی درخواست سے بھی پتہ چلا ہے اور



(شیخ عبداللہ) (پنڈت نہرو) (سردار پٹیل)

لگتا ہے آپ ہمیں بلیک میل کر رہے ہیں۔"

"نہیں، یہ بات درست نہیں ہے سردار صاحب! آپ یقین کیجئے میں کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"پھر آپ نے اپنی درخواست میں رائے شماری کا ذکر ہی کیوں کیا؟"

"میں نے ذکر ضرور کیا لیکن آپ یقین رکھیے میرے ہوتے ہوئے

وہاں رائے شماری کبھی نہیں ہوگی، اور اگر بفرض محال وہاں رائے شماری کرانی بھی پڑی تو میرے ہوتے ہوئے یہ انتخاب ہندوستان جیتے گا۔ پاکستان نہیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ یا کوئی اور حکمراں آپ کو اس قسم کی گارنٹی نہیں دے سکتا"

یہ سُنکر سردار پٹیل کسی گہری سوچ میں پڑ گئے اور کچھ دیر بعد صرف اتنا بولے: "آزمائش شرط ہے"۔

اس کے بعد سردار نے پرائیویٹ سکریٹری مسٹر شنکر سے پنڈت نہرو کا فون ملانے کو کہا اور پنڈت جی سے انھوں نے کہا۔

"میں آپ کے بھروسے پر شیخ کو آزمائش کی کسوٹی پر پرکھ رہا ہوں اگر یہ کھرا اُترا تو یہ ہمارے لیے اچھی بات ہوگی"۔

شیخ عبداللہ رخصت ہو کر جب کوٹھی سے باہر آئے تو انہیں "رائے شماری کے عوض ریاست کا خود مختار حکمراں بنانے کا فیصلہ ہوگیا، جس وقت شیخ صاحب اندر گئے اس وقت سردار پٹیل شیخ عبداللہ کو زیادہ سے زیادہ مہاراجہ کی وزارت میں دیوان بنانے تک راضی تھا اس سے آگے کوئی اور عہدہ وہ ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن جب کشمیری عوام کی "رائے" کی کنجی شیخ صاحب نے اپنی جیب سے نکال کر سردار کے قدموں میں رکھدی تو انہیں ریاست کا وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ ہوا۔

تیسرے روز دہلی سے سرینگر واپس آنے سے قبل شیخ صاحب سردار پٹیل سے ان کی کوٹھی پر ملنے گئے تو اب کی بار شیخ صاحب سے یہاں بڑی گرمجوشی دکھائی گئی۔

سردار پٹیل نے شیخ صاحب کو یہ خوشخبری سنادی کہ مہاراجہ ہری سنگھ آپ کو وزیر اعظم مقرر کریں گے اور یوراج کرن سنگھ ریاست کے صدر ہوں گے۔ بقول شیخ صاحب سردار پٹیل نے مجھ سے کہدیا۔

"تم پاکستان کا خیال ذہن سے نکال دو، پاکستان زیادہ دیر تک قائم رہنے والا نہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ چھ سات سال تک چلے گا۔ اس کے بعد مسلم لیگ کے لیڈر ہمارے پاس آئیں گے اور کہیں گے ہم سے یہ نہیں سنبھلتا آپ ہی اسے سنبھالیے، محمد علی جناح اب زیادہ دیر تک رہنے والا نہیں۔ کیوں کہ ان کی بیماری کی یہ آخری اسٹیج ہے۔ لیاقت علیخاں کے چلے جانیکے ساتھ پاکستان

ٹوٹ جائے گا"۔

شیخ محمد عبداللہ کا پاکستان کے متعلق سردار پٹیل کا یہ بیان ان کی کتاب "آتشِ چنار" میں سے کیوں حذف کیا گیا اور اس کے پیچھے کیا مصلحت ہے؟ یہ سمجھنا زیادہ مشکل نہیں ہے "آتشِ چنار" میں سے ایسی بہت ساری باتیں نکال دی گئی ہیں۔ جن سے مرکز اور شیخ خاندان کے درمیان دوری ہونے کا احتمال تھا۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں سچائی کو مدتوں اور برسوں تک چھپایا جا سکتا ہے لیکن ہمیشہ کے لیے نہیں۔

شیخ عبداللہ دہلی سے سرینگر آئے تو وزیر اعظم مہرچند مہاجن کو دہلی طلب کیا گیا۔ مہرچند مہاجن اپنی کتاب "LOOKING BACK" میں لکھتے ہیں۔

"غالباً فروری ۱۹۴۸ء کو مجھے دہلی سے وزیر اعظم کے سکریٹری نے ٹیلیفون پر دہلی آنے کو کہا، میرے دہلی پہنچنے پر وزیر اعظم نہرو گرجا شنکر باجپائی اور گوپالاسوامی آئینگر نے میرے سامنے یہ تجویز رکھدی کہ مہاراجہ ایک اعلان کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ کو اپنا وزیر اعظم مقرر کرے اور وہ مجھے ایک متبادل مگر کھوکھلا عہدہ "دیوان" دینا چاہتے تھے۔

جس مجوزہ اعلان کے مسودہ پر بات چیت کرنے کے لیے مجھے دہلی طلب کیا گیا تھا۔ وہ سلامتی کونسل کی صدارت کی میٹنگ سے قبل جاری کرنا مطلوب تھا۔ اس کا مسودہ سرگوپالاسوامی آئینگر نے ترتیب دیا تھا جس کو وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل دونوں نے منظور کیا تھا۔ میں اس سے متفق نہ تھا۔ اور میں نے کہا غالباً مہاراجہ بھی اس سے متفق نہ ہوگا۔ سردار پٹیل نے میری رائے سن کر کہا۔

مہاراجہ کا اس سے متفق ہوئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ اس پر میں نے سردار پٹیل سے استدعا کی کہ مہاراجہ کے اس اعلان سے پہلے ہی مجھے اپنے عہدے سے سبکدوش کیا جائے۔ اس نے مجھے سبکدوش کیا"۔

وزیر اعظم مہرچند مہاجن حیران تھے کہ کل پرسوں تک شیخ عبداللہ کو میرا "دیوان" بنایا جا رہا تھا۔ آج مجھے ان کا "دیوان" بنایا جا رہا ہے۔ مہاجن دراصل اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کا وزیر اعظم کا عہدہ پہلے ہی سردار پٹیل کی کوٹھی پر نیلام پر چڑھایا گیا ہے اور

اس کے لیے جو بولی لگی وہ نہ مہر چند مہاجن اور نہ ہی دُنیا کی کوئی اور ہستی دے سکتی تھی۔ اس کی طاقت اور اختیار صرف کشمیری عوام کے بیباک اور شیر دل رہنما کو تھا۔ کیونکہ وہ چالیس لاکھ عوام کا محبوب لیڈر تھا۔ وہ "سرداری عوام کا حق ہے" کا نعرۂ مستانہ لے کر میدانِ کارزار میں اُترا تھا، وہ عوام کو ان کے حقوق دلانے کے لیے ڈوگرہ شاہی سے لڑ کر سرخرو ہوا تھا، وہ ایک ایسا رہنما تھا جن کے پیچھے بے پناہ عوامی طاقت تھی ایسی طاقت کا مہاجن تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وزارتِ عظمیٰ کی نیلامی میں کشمیری عوام کا محبوب لیڈر کشمیری عوام کا ادھیکار فروخت کر گیا۔

بقول رام چند کاک۔ شیخ محمد عبداللہ کشمیر کو مہاراجہ ہری سنگھ کے ہاتھ سے نکال کر مہاراجہ جواہر لال کے سپرد کر گیا۔ کشمیر کی اس ریاست کو ایک مہاراجہ کے ہاتھ سے نکال کر دوسرے مہاراجہ کو بیچ دیا گیا۔ جموں وکشمیر کی ریاست کو ڈوگرہ راج کے پنجے سے نکال کر کانگریس کے پنجے میں دیا گیا۔

یہ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے۔ شخصی راج کے دوران ریاست آزاد اور خود مختار تھی اور عوامی راج میں یہ غلام بن گئی۔

مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کا ایک خود مختار راجہ تھا اور مہاراجہ عبداللہ غیر مختار راجہ ثابت ہوا۔

سردار پٹیل سے ملنے سے پہلے شیخ عبداللہ کو بعض نامناسب اور قابلِ اعتراض بیانات کی پاداش میں اقتدار سے شنٹ اوٹ کیے جانے کا بھی سجھاؤ تھا اور یہ سب کچھ اسی دوران ہو رہا تھا جب بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی سیاہی ابھی گیلی تھی۔

شیخ محمد عبداللہ کی اس اتنی بڑی قربانی کے عوض مہر چند مہاجن اور اُن کے نائب رام لال بترہ کو اپنے عہدوں سے سبکدوش کیا گیا اور مہاراجہ ہری سنگھ سے سفارش کی گئی کہ وہ شیخ عبداللہ کو ریاست کا وزیر اعظم مقرر کر کے انہیں سارے اختیارات دیدیں۔ مہاراجہ سے کہا گیا اس کے صلے میں آپ کے وارث یوراج کرن سنگھ کو ریاست کا سربراہ بنایا جائیگا جبکہ شیخ صاحب پہلے ہی مہاراجہ کے وارثوں اور جانشینوں کے فرمانبردار رہنے کا حلف اُٹھا چکے تھے۔

چونکہ اس طرح مہاراجہ ہری سنگھ کی تمنا پوری ہو رہی تھی انھوں نے شیخ عبداللہ کو بحیثیت وزیر اعظم نامزد کیا۔

۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے ایک شاہی فرمان کے ذریعے شیخ محمد عبداللہ کو ریاست کے وزیر اعظم کے عہدے کا حلف لینے کا حکم جاری کیا جو حسبِ ذیل ہے۔

"آج ماہ مارچ ۱۹۴۸ء کے پانچویں دن اور ہماری حکومت کے تیسویں سال میں ہم نے خاندانی روایت کے مطابق وقتاً فوقتاً اپنی رعایا کو نظام حکومت میں زیادہ سے زیادہ شرکت کا موقع بخشا ہے جس کی غرض وغایت یہ تھی کہ جلد از جلد ان کو مکمل نظام حکومت حاصل ہو، اسی خواہش کے تحت ہم نے جموں وکشمیر کے کانسٹی ٹیوشن ایکٹ سمت ۱۹۹۶ کے ذریعے ریاست میں ایک ایسی حکومت قائم کی ہے جو وزرا کی ایک کونسل، ایک مجلس قانون ساز جس میں منتخب ممبران کی اکثریت ہے اور ایک آزاد عدلیہ پر مشتمل ہے۔ آج تک جو ترقی ہوئی ہے اس پر ہمیں خوشی اور فخر ہے اور اس بات پر بھی کہ ہماری رعایا کی یہ جائز خواہش ہے کہ فوری طور پر ریاست میں ایک مکمل جمہوری آئین نافذ کیا جائے جس کے تحت ہر بالغ کو حق رائے دہندگی حاصل ہو، ریاستی انتظامیہ مجلس قانون ساز کے روبرو ذمہ دار ہو اور جس کا آئینی سربراہ ہمارے شاہی خاندان کا فرد ہو۔

ہم نے پہلے ہی اپنی رعایا کے ہر دلعزیز قائد شیخ محمد عبداللہ کو ایمرجنسی ایڈمنسٹریشن کا سربراہ مقرر کیا ہے اب ہماری خواہش ہے کہ مکمل ذمہ دار آئین نافذ ہونے تک ایمرجنسی ایڈمنسٹریشن کی جگہ عبوری حکومت قائم کی جائے اور اس کے اختیارات وفرائض واضح کر دیئے جائیں۔ اس لیے ہم مندرجہ ذیل حکم صادر کرتے ہیں۔

(۱) ہماری کونسل آف منسٹرز پریم منسٹر اور دیگر ان وزرا پر مشتمل ہوگی جو وزیر اعظم کے مشورے سے تعینات کیے جائیں، ہم نے ایک شاہی اعلان کے ذریعے آج سے شیخ محمد عبداللہ کو وزیر اعظم مقرر کیا ہے۔

(۲) وزیر اعظم اور دیگر وزرا ایک کابینہ اور مشترکہ ذمہ داری کے اصول پر کام کریں گے۔

(۳) ہم اس موقع پر پھر سے یقین دلاتے ہیں کہ ہماری رعایا کے تمام

فرقوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت سرکاری ملازمت (سول و ملٹری) میں صرف بلحاظ قابلیت برابر موقع حاصل ہوں گے۔

(۴) نارمل حالات قائم ہوتے ہی ہمارے وزرا کا بینہ کونسل مناسب قدم اُٹھائے گی تاکہ بالغ رائے دہی کے اصولوں کے مطابق نیشنل اسمبلی قائم ہو اس اصول کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ ہر حلقہ رائے دہندگی کو اس کی آبادی کے مطابق ہی نمائندگی حاصل ہو۔

(۵) قومی اسمبلی جو آئین مرتب کرے اس میں اقلیتوں کے حقوق کی پوری پابندی کی جائے اور اس میں ایسی دفعات رکھی جائیں جن کے ذریعے تحریر و تقریر اور انجمن ہا کے قیام کی مکمل آزادی کی ضمانت دی جائے۔



(مہاراجہ ہری سنگھ)

(۶) قومی اسمبلی نیا آئین مرتب کرنے کے بعد اسے بوساطت کونسل آف وزرا کابینہ ہماری منظوری کے لیے پیش کرے گی۔

(۷) آخر میں ہم اس امید کو دہراتے ہیں کہ عوامی حکومت کا قیام اور مستقبل میں مکمل ذمہ دار آئین کا نفاذ ہماری رعایا کی نگہبانی، خوشی اور ذہنی و مالی ترقی کا ضامن ہوگا۔"

دستخط

ہری سنگھ مہاراجہ

۱۷ مارچ کو شیخ عبداللہ نے منڈی مبارک جموں میں عہدے اور رازداری کا حلف لیا اور ۱۸ مارچ کو انہوں نے جموں میں اپنی کابینہ کے ممبران کے ناموں کا اعلان کیا۔ ان کی ترتیب اس طرح تھی۔

(۱) وزیر اعظم : شیخ محمد عبداللہ۔
(۲) ڈپٹی وزیر اعظم و وزیر داخلہ : بخشی غلام محمد
(۳) وزیر مالیات : مرزا محمد افضل بیگ۔
(۴) وزیر صحت و بجالیات : سردار بدھ سنگھ۔

(۵) وزیر ترقیات : خواجہ غلام محمد صادق۔
(۶) وزیر خوراک : پنڈت شیام لال صراف۔
(۷) وزیر خزانہ : گردھاری لال ڈوگرہ۔
(۸) وزیر تعلیم : کرنل پیر محمد خاں۔

بعد میں ڈپٹی وزیروں کے طور پر غلام محی الدین ہمدانی (زہرا) درگا پرشاد در، خواجہ مبارک شاہ، کرنل بلدیو سنگھ سمیال، کرنل غلام قادر اور خواجہ علی شاہ مقرر کیے گئے۔

وزیروں کے پورٹ فولیوز کے بعد سکریٹریوں اور سربراہان محکمہ جات کی تقرری عمل میں لائی گئی، جو ابتدا میں اس طرح تھی۔

وزیر اعظم کے ماتحت محکموں کے لیے جو اصحاب مقرر کیے گئے ان میں پیرزادہ غلام احمد شونتھو پرسنل سکریٹری۔ شیام لال درسکریٹری۔ سردار عبدالعلیم درّانی، آئینی و قانونی سکریٹری قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر ایس پشن ڈائریکٹر صحت بنائے گئے۔ دیہات سدھار کے ڈائریکٹر جنرل انڈسٹریز کیشپ بندھو مقرر ہوئے۔ جانکی ناتھ زتشی کو پبلسٹی سکریٹری اور پرنسپل سکریٹری کے طور پر رام لال ناگپال نامزد کیے گئے۔

میر مقبول گیلانی اسپیشل آفیسر اوڑی۔ محمد امین اسپیشل آفیسر بانہال اور غلام قادر بٹ اسپیشل آفیسر لداخ مقرر کیے گئے۔

انفارمیشن و براڈ کاسٹنگ کے انڈر سکریٹری بلدیو پرشاد شرما، وزارت داخلہ کے سکریٹری ڈی، پی در اور اسپیشل سکریٹری غلام محی الدین مقرر کیے گئے۔

پرسنل اسسٹنٹ سید میر قاسم، سکریٹری وزارتِ بجالیات حکیم علی انڈر سکریٹری منشی غلام محمد مقرر ہوئے۔

وزارت مالیات کے سکریٹری کوتوال تیج رام، انڈر سکریٹری آغا ناصر علی نامزد کیے گئے، پرسنل اسسٹنٹ پیر غیاث الدین، سکریٹری وزارت خوراک ترلوچن دت، پرسنل اسسٹنٹ ہربنس سنگھ آزاد۔ انڈر سکریٹری سردار نیجا سنگھ سکریٹری وزارت خزانہ عبدالعزیز فاضلی اور سکریٹری وزارت تعلیم غلام احمد مختار مقرر ہوئے۔

شیخ محمد عبداللہ نے وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالا تو ریاست دیوالیہ ہو چکی تھی

ضروریاتِ زندگی کی نایابی، کمر توڑ مہنگائی اور فاقہ کشی کا یہ عالم تھا کہ لوگ یقیناً غربت اور افلاس کی چکی میں پسے جا رہے تھے۔ فاقہ کشی سے کتنی ہی جانیں ضائع ہو رہی تھیں، مجبور لوگ گھاس اور درختوں کے پتے بھی کھا رہے تھے، چوپایوں کو مار کر ان کا گوشت کھا کر اور بچا ہوا گوشت اگلے دنوں کے لیے رکھ کر گلا سڑا گوشت کھانے کی بھی نوبت آ پہنچی تھی، ضروریات زندگی کی نایابی سے ہر سو ہا ہا کار مچ گئی تھی۔ پہلی عوامی سرکار سے لوگوں کو اس قسم کا واسطہ پڑا تو وہ نہ صرف حکومت سے ناراض ہو گئے بلکہ کھلے بندوں اس ناقص اور نالائق حکومت کو آڑے ہاتھوں لے کر اس کی شدید مخالفت کرنے لگے۔

مخالفت کا زور بڑھ گیا تو لوگوں کی اصل مسائل سے توجہ ہٹانے کے لیے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے "جشنِ کشمیر" منانے کا اعلان کیا، جسے جشنِ آزادی کا بھی نام دیا گیا، اس جشن کے لیے، ۱۰ مئی سے ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء تک کا پروگرام مشتہر کیا گیا۔ جشنِ آزادی کی نگرانی کے لیے مولانا محمد سعید مسعودی کو بطور سربراہ مقرر کیا گیا۔

ہفتہ رجشن کے دوران چراغاں کیا گیا۔ آتشبازی چھوڑی گئی امراء اور دیگر معزز شہریوں کے لیے دعوتوں کا اہتمام کیا گیا۔ ہندوستان کے کئی بڑے سرکردہ اصحاب کو جشنِ کشمیر میں شمولیت کے لیے دعوت نامے بھیجے گئے۔ پولو گراؤنڈ میں ایک خصوصی تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، رفیع احمد قدوائی، گوپالاسوامی آئینگر، مہاراجہ ہری سنگھ ان کی پتنی تارا دیوی کے علاوہ جنرل تھمیا اور دوسرے اعلیٰ فوجی آفیسروں کے علاوہ ریاستی وزراء اور دوسرے آفیسران اور معزز شہری شامل ہوئے۔

اس تقریب میں تقریباً ڈیڑھ سو اصحاب نے شرکت کی جن کے قیام و طعام اور انگریزی شراب پر خزانہ عامرہ سے ہزاروں روپے صرف کیے گئے اور اس طرح قحط کے ایام میں عوام کی بھوک مٹانے کا بہترین انتظام کیا گیا۔



مہاراجہ اور ان کے وارثین

جن کا وفادار رہنے کا شیخ محمد عبداللہ نے وچن لیا







یوراج ڈاکٹر کرن سنگھ

شش جہت میں ہے تیرے جلوۂ بے فیض کی دھوم
کان مجرم ہیں مگر آنکھ گنہگار نہیں

ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ تعلقات
وزیر اعظم کشمیر کا اہم رول

ریاست کے قضا و قدر کے مالک بنتے ہی وزیر اعظم نے پاکستان نوازوں کو چن چن کر یا تو جیل میں بھروا دیا یا اُنھیں سرحد کے پاس لیجا کر پار ڈھکیلوا دیا۔ البتہ بھارت کے بعض لیڈروں کے رویّے سے مایوس ہو کر وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سخت فکر مند بھی ہو گئے اور اُنھوں نے متبادل لائن پر بھی سوچنا شروع کیا۔ شیخ عبد اللہ نے تحریک کے دیرینہ ساتھی غلام نبی گلکار کو زبردستی کشمیر بدر کر کے پاکستان بھیجوا دیا۔ اِس کے بعد ایک اور ساتھی چوہدری غلام عباس خاں کو ملک بدر کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کی عمل آوری کے لئے ڈیوٹی مجسٹریٹ ہربنس لال بلگوترہ کو مامور کیا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر خود ان سے ملنے گئے اور انھیں پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ صلح صفائی کرنے کے مشن پر سرحد کے پار بھیجا دیا۔ اس طرح عباس خاں کو زبردستی کے بجائے چالبازی سے کشمیر سے نکال دیا گیا۔

بقول شیخ صاحب جیل میں ملاقات کے دوران میں نے چوہدری صاحب سے صاف صاف کہہ دیا۔ "رائے شماری یہاں قطعی طور پر ناممکن ہے۔"



خواجہ ثنا اللہ بٹ مدیر "آفتاب" اپنی کتاب "کشمیر ۱۹۱۹ء سے ۱۹۷۷ء تک" میں لکھتے ہیں :-

"چوہدری عباس خاں کو جیل سے رہا کر کے پاکستان" (چوہدری غلام عباس خاں)
اس لئے بھیجا گیا تاکہ وہ پاکستان کے ساتھ اُن کی صلح صفائی کرا سکے۔ اس بارے میں انھوں نے لکھا ہے :

کشمیر میں وزیر اعظم شیخ محمد عبد اللہ اور مُسلم کانفرنس کے رہنما چوہدری

غلام عباس خاں جو اس وقت سینٹرل جیل میں منتقل کئے جا چکے تھے کے درمیان متعدد بار تبادلہ خیالات ہوا، وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے اپنے نائب بخشی غلام محمد کے ذریعے چوہدری عباس کو پاکستان بھجوا دیا۔ ۳ر مارچ ۱۹۴۸ء کو چوہدری غلام عباس خاں پاکستان میں نمودار ہوئے ۔ چوہدری صاحب نے کراچی میں محمد علی جناح سے ملاقات کی لیکن اس ملاقات کے بارے میں انھوں نے خاموشی سے کام لیا۔

میں نے ایک ملاقات کے دوران چوہدری صاحب سے کہا۔ مجھے آپ کے اس مشن کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے کیونکہ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کا سیکورٹی آفیسر مسٹر سلہری پاکستان آچکا ہے اور اس نے مجھے جیل میں آپ کی اور شیخ صاحب کے درمیان ملاقات کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے

چنانچہ چوہدری صاحب نے مجھ سے قول لینے کے بعد کہ میں اسے اخبار میں شائع نہیں کروں گا۔ یہ انکشاف کیا۔

ہم دونوں کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ ۔۔۔ کشمیر میں ہندوستان اور پاکستان جنگ بند کر دیں اور جموں و کشمیر کی ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کی پوزیشن[1] بحال کر دی جائے۔ ریاست میں عبوری دور کے لئے نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کی ایک ملی جلی حکومت انتظام سنبھالے اور ریاست کے دونوں ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلقات اور راستوں کی آمد و رفت بحال کر دی جائے، تین برس کے بعد اس مقصد کے لئے رائے شماری کروائی جائے گی کہ ریاست کے لوگ اس پوزیشن کو دائمی شکل دینا چاہتے ہیں یا ہندوستان اور پاکستان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ ان تمام مسائل اور امور کو طے کرنے کے لئے ہندوستان اور پاکستان کے بااختیار لیڈروں، شیخ محمد عبداللہ اور میرے ہم

---

[1] شیخ عبداللہ اس قسم کا فارمولا کیسے پیش کر سکتے تھے۔ جبکہ انھیں اُس خط پر سخت جھاڑ پلائی گئی تھی جس میں انھوں نے فوج کی واپسی کا ذکر کیا تھا اور متنبہ کیا گیا تھا کہ آئندہ اس قسم کا ذکر نہیں ہونا چاہئے۔

دونوں کے رفقاء کی ایک گول میز کانفرنس کی تجویز پر بھی اتفاق رائے ہو چکا تھا۔

چوہدری عباس خاں نے مجھے بتایا میں نے جب یہ سارا معاملہ قائداعظم کے سامنے رکھا تو انھوں نے اس معاملے پر شبہات ظاہر کرتے ہوئے یہ فارمولا مسترد کر دیا اور کہا چونکہ کشمیر کا معاملہ ہندوستان اقوام متحدہ میں لے گیا ہے اس لئے ہمیں اسی ادارے کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہئے۔"



(خواجہ ثنا اللہ بٹ)

خواجہ ثنا اللہ بٹ کے مطابق چوہدری عباس کو رائے شماری کے لئے راہ ہموار کرنے پاکستان بھیجا گیا جبکہ شیخ صاحب "آتش چنار" میں کہتے ہیں۔ میں نے عباس خاں کو صاف طور پر بتایا "یہاں رائے شماری ممکن العمل نہیں ہے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ دراصل شیخ صاحب ایک مشن کی آڑ میں پاکستان بھیجکر اُن سے چھٹکارا پانا چاہتے تھے۔ کیونکہ نہ کوئی ۱۵ر اگست کی پوزیشن پر جانے والا تھا۔ نہ پاکستان تین برس کے بعد رائے شماری کرانا مانتا، اور نہ ہی ہندوستان رائے شماری کی کوئی بات تسلیم کرتا۔ یہ ایک ایسا فارمولا تھا جو بظاہر اچھا فارمولا تھا۔ لیکن ان کے بس سے کوسوں دور تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس قسم کے فارمولے کے بارے میں بالکل بے بس تھے۔ تو ہرگز غلط نہیں ہوگا۔

اسی دوران مولوی عبداللہ وکیل کی وفات ہوئی تو نذیر احمد خاں نے شیخ عبداللہ کے پاس جا کر اُن کے فرزند بشیر احمد، ایم۔ اے صابر، عبدالقیوم، عبدالرحیم اور مولوی صاحب کے دوسرے رشتے دار جو قید کر لئے گئے تھے۔ ان سبھوں کو رہا کرنے کی اپیل کی۔ چنانچہ انھیں پیرول پر رہا کیا گیا۔

شیخ صاحب مولوی عبداللہ کے جنازے میں شرکت کرنے کے بجائے اگلے روز تعزیت پرسی کے لئے مولوی صاحب کے گھر گئے۔ یہاں پر مولوی عبدالرحیم نے ان کی درگت بنائی۔ انھیں تحریک کے ساتھ غداری کرنے اور کانگریس کے ہاتھوں کشمیر کو بیچ کھانے کے الزامات لگا کر شیخ صاحب کو لاجواب کر دیا۔ اس وقت یہاں جو لوگ موجود تھے۔ ان

ہیں مولوی صاحب کے فرزندان' ان کے رشتہ داروں کے علاوہ نصیر الدین خاں، نذیر احمد خاں کرنل عدالت خاں، شیخ عبد الصمد، غلام محی الدین رہبر، عبد الغنی ترالی، اور دوسرے احباب موجود تھے۔ نصیر الدین خاں نے شیخ عبد اللہ کو بھارتی لیڈروں کے ہاتھوں کھلونا بننے کی چند ایک مثالیں دے کر انھیں مجلس میں شرمسار کر دیا۔



(مولوی بشیر) (مولوی عبد اللہ وکیل)

شیخ صاحب نے اپنی خفت مٹا کر حاضرین سے کہہ دیا:۔

"جا کر پاکستانی حکمرانوں کو مناؤ اگر وہ راضی ہیں۔ تو میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کروں گا' میں اُن کے ساتھ صلح صفائی کے لئے بالکل تیار ہوں۔"

شیخ صاحب کی زبانی ایسا سُنکر مولوی بشیر احمد نے ان سے پوچھا۔

"لیکن بھارت کی جو فوج یہاں قابض ہے۔ اس کا کیا ہوگا۔ آپ کو جاننا چاہیئے کہ کسی ملک کی فوج ایکبار دوسرے ملک میں داخل ہو گئی تو وہ آسانی سے وہاں سے نہیں جاتی۔ فوج کو صرف فوج نکالتی ہے۔"

شیخ صاحب نے جواب دیا۔ "اس کو آپ میرے ذمہ چھوڑ دیں' آپ جا کر پاکستانی حکمرانوں کو منائیں — اور مجھے جواب دیں۔"

شیخ صاحب کے جانے کے بعد ان افراد نے اس روز رات گئے اور دوسرے روز دوپہر تک اس مسئلے پر غور کیا اور اتفاق رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ شیخ صاحب کے اس طرح اچانک پاکستان کی طرف راغب ہونے میں دال میں کچھ کالا ہے۔ شاید انھیں سلامتی کونسل کے فیصلے کا احساس ہو چلا ہے اس لئے یہ فیصلہ سُننے سے پہلے ہی اپنے بچاؤ کے بارے میں فکر مند ہو گئے ہیں۔ ہمیں بہر حال سلامتی کونسل کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ

اس طرح کی کاروائی سے پاکستان کا کیس کمزور ہو جائے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاکستان کے حکمرانوں کے ساتھ وادی کے مسلم کانفرنس کے رہنما سلامتی کونسل پر تکیہ کئے ہوئے تھے کہ یہ ادارہ دیر سویر کشمیر کو خالی میں سجا کر پاکستان کو پیش کرے گا۔ اسی لئے وہ کسی بھی مصالحت کو نامنظور کرتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی مصالحت بار آور ہوتی یا نہیں۔

ان واقعات سے جہاں مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کی سوچ اور اپروچ کا اندازہ ہوتا ہے وہاں شیخ عبد اللہ کے دُوقومی نظریئے کا خول اُتر جاتا ہے۔ اگر ثنا اللہ بٹ کی دلیل صحیح مان لی جائے تو قائد اعظم محمد علی جناح نے شیخ صاحب کی مصالحت کی تجویز پر شک کا اظہار کر کے سلامتی کونسل پر تکیہ کیا اور شیخ عبد اللہ کو نیشنلزم کا لباس تن سے اُتارنے سے روک دیا۔

حالات اور واقعات اس بات کے گواہ ہیں کہ پاکستان کو اگر کشمیر سے ہاتھ دھونا پڑا تو اس کی جہاں ایک خاص وجہ شیخ محمد عبد اللہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کی دوستی ہے وہاں اس کے ذمہ دار محمد علی جناح بھی ہیں۔ جنھوں نے لارڈ مونٹ بیٹن کو مشترکہ گورنر جنرل نہ مان کر اُن کی دُشمنی مول لے لی اور بدلے میں اُنھوں نے وہ راہ کاٹ دی جسے محمد علی جناح پاکستان کے لئے شہہ رگ مانتے تھے۔

مقامی مسلم کانفرنس کے لیڈروں کی بے رُخی جس نے انھیں پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ صلح صفائی کا موقع فراہم نہیں کیا' شیخ عبد اللہ کو بے حد ناراض کیا اور اُنھوں نے انتقام کے طور پر ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا شروع کیا۔

شیخ صاحب کو بھارتی لیڈروں کے رویے سے پاکستان یاد آیا تو قریشی محمد یوسف نے ایک اجتماع سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:۔

"..... شیخ عبد اللہ اپنے کرتوت پر پچھتا رہے ہیں۔ وہ اب نہ آگے جا سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ ان کے آگے چاہ اور پیچھے کھائی ہے۔ آپ دیکھ لینا وہ عنقریب اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔"

مُسلم کانفرنس کے لیڈروں کی طرف سے اس قسم کے تابڑ توڑ حملوں سے متاثر ہو کر انھوں نے نئے سرے سے مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کو تختۂ مشق بنانا شروع کیا تاکہ وہ کم از کم کانگریس کو ہی خوش رکھ سکیں۔

شیخ صاحب عید کے موقع پر عیدگاہ میں عوامی اجتماع سے خطاب فرمانے کے دوران سخت جذباتی ہو گئے اور وہ الحاق کے حدود کو پھلانگ گئے۔ اُنھوں نے کہا۔

"نیشنل کانفرنس کے خصوصی اجلاس میں ہمارا لیا گیا فیصلہ ایک سال کے اُن مشکلات اور مصائب کا لازمی نتیجہ تھا جو پاکستانی حملہ آوروں نے بے گناہ اور امن پسند لوگوں پر روا رکھے وہ وعدہ[1] جو میں نے پنڈت نہرو کو دیا تھا۔ اب ایک اٹوٹ رشتے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ہندوستانی رویہ کو ایک سال سے زیادہ عرصے تک جاننے کے بعد مستقل الحاق کا فیصلہ ایک ایسا فیصلہ ہے جس کے ساتھ ریاست کی آنے والی نسلوں کی قسمت وابستہ ہے۔"

صرف ایک سال کے عرصے میں عوام کا ہر دلعزیز رہنما اپنے قول پر قائم نہیں رہ سکا اُنھوں نے ۱۹۴۷ء سے لیکر اب تک الحاق کو عارضی کہا تھا اور اسے تابع راتے شماری بتایا تھا۔ اس الحاق کی پہلی سالگرہ پر انھوں نے مستقل الحاق میں بدل کر آنے والی نسلوں کو عید کے روز ایک سوغات کے طور پر پیش کیا۔ لیکن اقتدار کھو جانے کے بعد وہ کشمیری قوم کو یہ تحفہ دینے سے صاف منکر ہو گئے۔

عید کے بعد سرینگر سے دہلی جاکر شیخ عبداللہ نے وہاں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور الحاق کے بارے میں بتایا:

"ہمارا فیصلہ اٹل ہے۔ ہندوستان سے کشمیر کا الحاق اٹوٹ ہے۔ کشمیر میں مذہبی حکومت کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اِس لئے پاکستان کا نظریہ ہم نے کبھی قبول

---

[1] ۱۹۳۸ء میں لاہور میں خان عبدالغفار خان کی موجودگی میں شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت نہرو کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر وعدہ کیا تھا کہ کشمیر بھارت کا ہے اور بھارت کا رہے گا۔ یہ وہی وعدہ تھا جس کے بارے میں بیگم عبداللہ نے اگست ۱۹۴۶ء میں کہا تھا ہم مسلمان ہیں اور مسلمان جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا بھی کرتا ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ ان مسلمانوں نے قوم سے سینکڑوں وعدے کر کے توڑے ہیں اور حضرت بل کے مقدس آستانے پر پیغمبر آخرالزماں صلعم کو گواہ بنا کر وعدے سے منہ موڑا ہے۔

نہیں کیا۔"

یہ سفید جھوٹ اتنی جلدی سر چڑھ کر بولنے لگا۔ جبکہ وہ حال ہی میں مسلم کانفرنس کے لیڈروں اور ورکروں سے استدعا کر چکے تھے کہ پاکستانی حکمرانوں سے میری صلح کرا دیجئے تاکہ میں ہندوستان سے چھٹکارا پا سکوں، مولوی عبداللہ کی موت پر تعزیت پرسی کے دوران جن احباب کے سامنے انھوں نے یہ سب کہا تھا۔ اُن میں کئی اب بھی حیات ہیں اور ان کی یہ تجویز اور استدعا گرہ میں باندھے ہوئے ہیں۔

شیخ صاحب دہلی سے سرینگر واپس آگئے تو انھوں نے نیشنل کانفرنس کی ایک تقریب کے دوران وہ راز اگل ہی دیا جو برسوں سے ان کے سینے میں دفن تھا۔ تنظیم کے عہدیداروں اور ورکروں کے سامنے اُنھوں نے فرمایا:۔

"ہم نے اپنا فیصلہ گذشتہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں نہیں بلکہ اُس وقت لیا جب ہم نے مسٹر جناح کی پیش کش کو ٹھکرایا۔ ہمارا انکار قطعی نوعیت کا تھا۔ نیشنل کانفرنس نے برابر اُس وقت سے جب سے اس کا جنم ہوا۔ دنیا کی بدترین مطلق العنانیت کا مقابلہ کرتے ہوئے ریاست کو مہلک دُو قومی نظریئے سے پاک و صاف رکھنے کی کوشش کی۔"

شیخ صاحب کا یہ دعویٰ ناقابلِ اعتبار ہے۔ اِس لئے کہ ۱۹۴۴ء میں جناح صاحب کے ساتھ ملاقات کے دوران اگر اُن کی پیش کش کسی خاص 'نظریئے' کے تحت ٹھکرا دی تو ۱۹۴۸ء میں خفیہ بات چیت کے ذریعے پاکستان کے ساتھ معاہدہ کرنے کی منظوری کیوں دے دی۔ اگر بھارت کے حکمران دل میں یہ بات نہ بٹھا دیتے کہ پاکستان میں آپ کی گرفتاری کی تیاریاں ہو رہی ہیں تو آپ نے وہاں جاکر معاہدہ پر دستخط کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ اس شیر کی گھن گرج ہے جس کو زخم لگا ہو، پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر مسلم کانفرنس کے مقامی لیڈروں نے آپ کی بات مان کر پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ صلح کرا دی ہوتی تو اس قسم کے بیان کے بدلے جو آپ دوسرے قسم کے بیان دیتے وہ بھی کیا قابلِ اعتبار ہوتے؟

الحاق کو حتمی اور ناقابل تنسیخ کہنے کے بارے میں شیخ عبداللہ نے ایک مہم شروع کر دی۔ اس سلسلے میں نیشنل کانفرنس کے ایک سپیشل کنونشن میں ساری دُنیا کو دو ٹوک

جواب دے کر فرمایا:

"..... ان حالات میں یہ کنونشن ہندوستان کے ساتھ کئے گئے عارضی الحاق کی تصدیق کرتا ہے تاکہ اسے عارضی کہنے کی گنجائش باقی نہ رہے یہ کنونشن نیا کشمیر کے اصولوں کی بنیاد پر ہندوستان کے ساتھ حتمی الحاق کے لئے بھی بھرپور تعاون کا وعدہ کرتا ہے جس کو عملی صورت دینا اور حاصل کرنا ہمارا حقیقی منتہائے مقصد ہوگا۔"

اس طرح اکتوبر ۱۹۴۸ء کے اس سپیشل کنونشن میں عارضی الحاق کو حتمی بنا کر اور اس کے بارے میں تمام شکوک و شبہات دور کرنے کے بعد ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۵ء تک اس کے عارضی ہونے کا جو ڈھول پیٹا گیا۔ انجام کار وہ ڈھول ہی سرِ راہ پھٹ گیا اور اقتدار ملنے کے بعد اس کا خاتمہ بالخیر ہو گیا۔

ریڈیو کشمیر جموں سے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے اپنی نشری تقریر میں یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو قوم سے خطاب فرماتے ہوئے جنگ بندی کا خیر مقدم کر کے حکومت ہند خاص طور پر پنڈت جواہر لال نہرو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"آج پہلا دن ہے جب ریاست جموں و کشمیر کے لئے اس سال کی پہلی خبر میدانِ جنگ میں امن قائم ہونے کی اطلاع سے دی جاتی ہے۔ عارضی سمجھوتہ کے مطابق آج رات بارہ بجے سے قبل کشمیر کے محاذ پر لڑنے والی ہندوستانی اور پاکستانی افواج لڑائی بند کر دیں گی اور چودہ مہینے دس دن کی مسلسل لڑائی کے بعد پہلی بار جموں و کشمیر کے باشندے یک گونہ امن کی فضا میں سانس لیں گے۔"

کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ رائے عامہ کے ذریعے کیا جائے۔ یہ امر مدمخالف کے لئے نیا ہو سکتا ہے لیکن ہمارے لئے نیا نہیں ہے۔ میں نے اور میرے رفقا نے بار بار اعلان کیا ہے کہ کشمیر کے الحاق کا فیصلہ کرنے کا حق صرف ریاست کے عوام کو حاصل ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان کے لیڈروں نے شمشیر کی طاقت سے اپنا فیصلہ کشمیر کے لوگوں پر ٹھونسنا شروع کیا اور ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر پر دھاوا بول دیا جس کی مدافعت کے لئے ہمیں

مجبوراً ہندیونین سے امداد لینی پڑی۔ ۲۷ اکتوبر کو ہندیونین نے جو رسمی الحاق قبول کیا۔ اس میں صریحاً لکھا ہے کہ حملہ آوروں سے کشمیر کو نجات ملتے ہی عوام سے الحاق کے بارے میں رائے لی جائے گی۔ پنڈت نہرو نے اس اصول پر کشمیر کے فیصلے کا انحصار رکھا اور ۳۱ اکتوبر کو میں نے انتظامیہ کی ذمہ داریاں سنبھالتے وقت از سر نو اس اصول کا اعادہ کیا۔

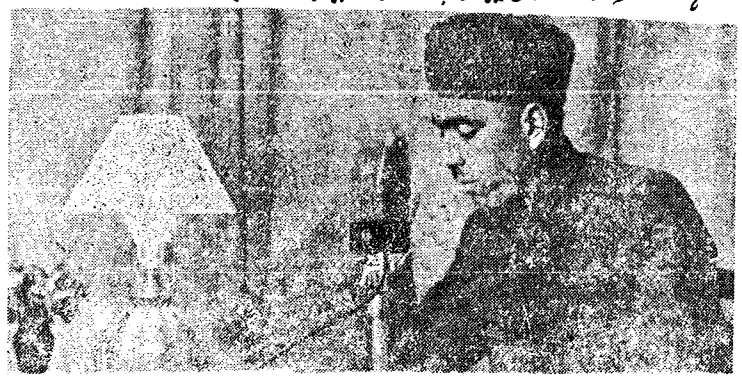
پاکستان نے کشمیر پر جو حملہ کر دیا تھا۔ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اتنا ہولناک اور وحشیانہ تھا کہ اگر اس کی مدافعت بروقت نہ کی گئی ہوتی تو کشمیری آبادی صفحۂ ہستی سے مٹ گئی ہوتی۔

آج جبکہ لڑائی بند کرنے کے احکامات صادر ہوئے ہیں۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ہندیونین کی جمہوری حکومت کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو، نائب وزیر اعظم سردار پٹیل اور وزیر جنگ سردار بلدیو سنگھ کی امداد اور اعانت کا تہہ دل سے اعتراف کروں اور ہندوستان کی افواج کے ان تمام سپاہیوں، سرداروں اور سالاروں کا جنھوں نے کشمیر کے محاذ پر دادِ شجاعت دی۔ شکریہ ادا کروں اور کشمیر ملیشیا کے بہادر نوجوان اور رضاکار جو قوم و ملک و قوم کی حفاظت کے لئے بہترین سپاہی ثابت ہوئے۔ اُن کو شاباش اور زندہ باش کہوں، آج میرا فرض ہے کہ بریگیڈیر عثمان، کرنل رائے کرنل منہاس، میجر شرما، کیپٹن زاڈو اور دیگر افسران اور سپاہیوں کو تحسین و آفرین کے پھول پیش کروں جنھوں نے اپنی جانیں دے کر ہمارے بچوں بوڑھوں اور نہتے عوام کی جانیں ہزاروں ماؤں کی عصمتیں اور لاکھوں عوام کی آزادی کو حملہ آوروں کی دستبرد سے بچایا۔ میں اپنے فرض کو پورا کرنے سے کوتاہی کروں گا اگر ان غیر مسلح عوام کا شکریہ ادا نہ کروں، جنھوں نے آزمائش کے سخت دور میں امن و آشتی کو بحال رکھ کر لڑنے والی فوجوں اور رضاکاروں کی امداد کر کے اور اکثر اوقات شہید شیروانی اور ماسٹر عبدالعزیز کی طرح اپنے وطن اور قوم پرست کچھ بچھاور کر کے قومی کامیابی کے لئے روشن امکانات پیدا کئے۔ اِس

لڑائی کے دوران حملہ آوروں کے ہاتھوں جو ہندو مسلم اور سکھ مظلوم لوٹے گئے، قتل ہوئے اور جو مائیں بہنیں اغوا کی گئیں اور پاکستانی علاقوں میں لے جاکر فروخت کی گئیں۔ اُن کی قربانیوں کو ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔

اِس وقت ریاست جموں وکشمیر کے باشندوں سے صرف اسی قدر کہوں گا کہ آج آپ تمام دُنیا سے اپنا یہ حق منوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ کشمیر کا فیصلہ کشمیر کے عوام ہی کر سکتے ہیں۔ عنقریب ہی اِس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کا پروگرام آپ کے سامنے ہوگا۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اپنے لئے کونسا راستہ تجویز کرتے ہیں۔ یہ آپ کے امتحان کا وقت ہے اور تمام دنیا کی نگاہیں آپ کی طرف لگی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح آج تک بارہا نازک موقعوں پر کشمیر کے فیصلے اور اقدامات دوسروں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔ اسی طرح آج بھی آپ کا فیصلہ بہترین ہوگا جو نہ صرف دُنیا کے لوگوں سے آپ کے لئے خراجِ تحسین حاصل کرے گا بلکہ کشمیر کے مستقبل کو بھی کشمیر کی شان کے مطابق بنا دینے کا موجب ہوگا۔"

وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کی اس ریڈیائی تقریر سے الحاق کے بارے میں اُن کے اکتوبر ۱۹۴۸ء کے کنونشن میں کئے گئے فیصلے کی نفی ہوتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان کے کس بیان پر اعتبار کیا جائے؟

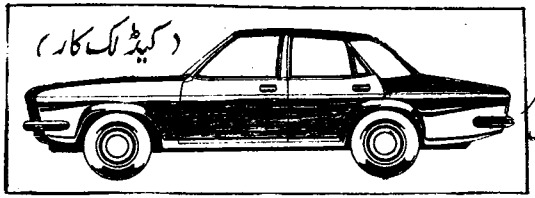


وفا کا ذکر کیا اس کی بے وفائی نے!
خراجِ عشق و محبت کیا ہے ہم سے وصول

وزیر اعظم کا مہنگا شوق، درگاہ حضرت بل میں تجدید عہد

وزیر اعظم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی طبیعت کے بارے میں کوئی بھی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا، اُن کی طبیعت کب کیا روپ دھارے گی۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا، وہ بچّوں کی طرح للچاتے بھی ہیں۔ عورتوں کی طرح روٹھتے بھی ہیں اور مردوں کی طرح مردانگی بھی دکھاتے ہیں۔ عنانِ حکومت سنبھال کر ریاست کے قضا و قدر کے مالک بن گئے تو مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ حکمرانی کی خامیاں دور کرنے اور عوام کو درپیش مسائل سے نجات دلانے سے قبل جو اہم کام سب سے پہلے انجام دیا وہ اپنے لئے دُنیا کی سب سے قیمتی کار امریکہ سے منگوانا تھا۔

شیخ صاحب جب وزیر اعظم بنتے ہی دہلی گئے تو انھوں نے وہاں صدر مملکت ڈاکٹر راجندر پرشاد کو ایک خوبصورت کیڈلک کار میں آتے جاتے دیکھا تو اس کار کو دیکھ کر ان کا جی للچایا!



اُنھوں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے ایسی ہی ایک کیڈلک کار منگوانے کی فرمائش کی۔

پنڈت نہرو نے ان سے کہدیا۔ اس وقت جبکہ اسٹیٹ مالی بحران کا شکار ہے اس قسم کی قیمتی کار منگوانا فضول خرچی کے سوا اور کچھ نہیں۔ شیخ صاحب کو پنڈت نہرو کی یہ بات ناگوار گزری اور انھوں نے سرینگر واپس آتے ہی امریکہ سے اپنے لئے کیڈلک کار منگوانے کا فیصلہ دہرایا۔ اس کے لئے زرمبادلہ کا مسئلہ پیش آیا تو وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے اُن کی درخواست پر نوٹ لکھ کر بھیجدیا:

"اس وقت آپ کی ریاست اس قسم کی فضول خرچی کے قابل نہیں ہے۔

آپ اس کار کے لئے ایک بچّے کی طرح بضد کیوں ہیں۔"

شیخ صاحب نے اپنا شوق برلانے کے لئے پنڈت جی کی ایک بھی نہ سُنی اور کابینہ سے منظوری حاصل کر کے کیڈلک کار کے لئے امریکہ کی فرم کو آرڈر بھیجدیا۔

اس وقت جبکہ ریاست زبردست مالی بحران کا شکار تھی۔ قحط کی وجہ سے لوگ بھوک کے شکار تھے۔ ریاست کے دیگر حاکم اور آفیسران قحط زدگان کی امداد کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے اور دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کر کے ایک طرح کی بھیک مانگ رہے تھے۔ ریاست کا حاکمِ اعلیٰ لوگوں کو اپنی بھوک مٹانے کے لئے چاول کے بدلے آلو کھانے کا مشورہ دے رہا تھا اور خود اپنا شوق برلانے کے لئے زرِ کثیر صرف کر کے امریکہ سے کیڈلک کار منگوا رہا تھا۔

اس کار کو سمندری جہاز سے امریکہ سے بمبئی اور پھر بمبئی سے سرینگر لانے میں جتنا خرچہ آرہا تھا اتنی رقم سیلاب زدگان کی امداد کے طور پر بھی نہیں دی گئی۔

اس کار کا جو حشر بعد میں ہوا۔ اس سے کون واقف نہیں۔ ۱۹۵۳ء میں شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے بعد اسے لاٹری پر چڑھا کر اونے پونے داموں میں بیچ کر معزول وزیرِ اعظم کی غیرت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے ان کی اَنا مجروح کر دی گئی اور انھیں ذہنی عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔

اس کار کے لئے امریکی فرم کو آرڈر بھیجدیا گیا تو مرکزی سرکار نے اس مہنگے شوق کو برلانے کے لئے شیخ عبداللہ کے طریقِ کار کا سخت نوٹس لیا اور ان سے اس بات کی جواب طلبی کی گئی کہ آپ صدرِ مملکت کی برابری کر کے جو مہنگے شوق برلاتے ہیں اس سے مرکزی سرکار کو دوسری ریاستوں میں ایسے مسائل سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اس جواب طلبی سے شیخ عبداللہ کی اَنا کو زبردست ٹھیس پہنچی اور وہ مرکزی سرکار کی اس کارروائی پر زہر کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ البتہ جب یہ زہر آہستہ آہستہ اُن کے سارے جسم میں سرایت کر گیا تو اُنھوں نے ۱۳ر جنوری ۱۹۴۹ء کو نیشنل کانفرنس کی ایک جیپ کے ذریعے سارے شہر میں منادی کرائی کہ کل ۱۴ر جنوری کو عید میلادالنبی صلعم کی مقدّس تقریب پر پیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ حضرت بل میں عوام سے ایک اہم خطاب فرمائیں گے۔ لہٰذا تمام لوگوں کو حضرت بل آنے کی دعوت دی جاتی ہے۔

اس روز حضرت بل کی مقدّس درگاہ میں عوام کے بھاری اجتماع کے سامنے شیخ صاحب نے ایک عہد کیا۔ اسے "عہد نامہ حضرت بل" کا نام دیا گیا۔

اس اجتماع میں ڈیڑھ لاکھ فرزندانِ توحید کے سامنے شیخ محمد عبداللہ نے اپنے ساتھ عوام کو کلمۂ شہادت پڑھا کر اس عہد کو دہرایا۔ جو انھوں نے ۱۹۳۱ء میں کشمیر کی آزادی کی خاطر جہاد کرنے کے لئے حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانیؒ کی خانقاہ معلّی سرینگر میں کیا تھا۔



(مہجورؔ)

۱۴ر جنوری ۱۹۴۹ء کو اسی کشمیر کی آزادی اور حقِ خودارادیت کے لئے عید میلادالنبی صلعم کی تقریبِ سعید پر اُنھوں نے درگاہ حضرت بل کو گواہ بنا کر اور حاضرین سے ہاتھ اُٹھوا کر یہ عہد دہرایا کہ ہم تب تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے جب تک قوم کے لئے آزادی اور حقِ خودارادیت حاصل نہیں کریں گے۔

"عہد نامہ حضرت بل" کو شاعرِ کشمیر مہجورؔ نے ایک منظوم کتابی شکل دی۔ جس میں سے یہ چند شعر یہاں نقل کئے جارہے ہیں ؎

بہ چھُس یژھ تہٕ پڑھ تو ہی کنٛ وَنان
گواہ چھُم خدائے زمان و زمین
یقیناً نبتِ پورٕہ ایمانداران
سُوَتھ بتھ اندرٕ تُہ زِ عزت تہٕ شان
پہ کرٕہ وقت ثابت بہ کیا چھُس یژھان
مے گژھ پورٕہ آسٕن تہند اَعتماد
چھُ دربارِ نبویؐ مقدّس مُقام
نوَ کر دیوٚن چھُ تتھ عہد قولس فرور
چھُ سُوئی عہد و پیمان ژتس وارٕ پاوٚ
بہ اُدس آزاد کرٕنک جہاد

بہ اتھ عہد و قولس گواہ چھُس آنان
دُویم مصطفیٰؐ سرورِ پاک دین
بہ کرٕہ تہٕنٛدہ باپت سُہ وتھ بختیار
سُہ وَتھ کاشرین آسہ بہتر تہٕ جان
وچھُت حال میانس دِس کیا کژھان
تمٕ ہتٕ بُوتہٕ رُوزہ خوشدل تہٕ شاد
یو نوَئی آس حاضر بہ ادنیٰ غلام
دَرٕ پرسینہٕ گژھ عہد و پیمان پور
از کہ بُر یو نٹھ از داہ وَرٕی کرٕنہٕ آوٚ
تمٕ وَرٕ یہ کرٕ کاشیر یو اتحاد

یہ فرمان تہند بہ تہ منظور کرو
بہ ہتھ جا ہیر حاضر گڑھت چھس وُنان
پر ہتھ کلمہ حلف و فا پور کرو
سُہ پرون وعدہ تہند برونٹھ کُن اُنان
دُپک شیخ صاحبن کر یو اعتبار
تتھے پاٹھی چھوہ وعدہ میئون برقرار

اس طرح درگاہ حضرت بل میں عید میلاد النبی صلعم کے مقدّس دن پر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناکر ریاست جموں وکشمیر کو آزاد کرنے کے لئے کلمۂ شہادت پڑھ کر اور لوگوں سے پڑھوا کر جو تجدید عہد کیا۔ اس پر وہ ہرگز قائم نہ رہ سکے۔ یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اکتوبر ۱۹۴۷ء سے لے کر اگست ۱۹۵۳ء تک انھوں نے ریاست کے حتمی الحاق کی بے شمار قسمیں کھائیں اور اس الحاق کو ناقابلِ تنسیخ بتاکر سینکڑوں دلیلیں دیں تو جنوری ۱۹۴۹ء کا آزادی اور خودارادیت کا یہ تجدید عہد اور وہ بھی مقدّس دن اور مقدس مقام پر کلمۂ شہادت پڑھکر حضرت محمد صلعم کو گواہ بناکر کیا گیا۔ تو کیوں ؟

ایک مُسلمان کلمہ پڑھ کر اور حضرت محمد صلعم کو گواہ بناکر اگر اپنے عہد سے مُکر جائے۔ تو اسلام ایسے شخص کے بارے میں کیا فتویٰ دیتا ہے ؟

چونکہ میں کوئی مفتی نہیں اور نہ ہی یہاں پر کوئی فتویٰ دینا چاہتا ہوں لیکن یہ ضرور سوچ رہا ہوں کہ ایسی حرکت کرنے کے بعد بھی جن لوگوں نے انھیں اپنا اعتماد دیا اور اُن کی پیروی کی، زندگی بھر انھیں اپنا رہنما مانا کہیں وہ اپنے ایمان سے تو نہیں گئے ؟

حضرت بل کے بھاری اجتماع میں آزادی اور خود مختاری کا تجدید عہد حکومت ہند کے خلاف صریحاً بغاوت تھی۔ چنانچہ اُن سے جواب طلبی کی گئی۔ انھوں نے اس بارے میں جو جواب دیا حکومتِ ہند اس سے مطمئن نہ ہوسکی چنانچہ انھیں دہلی طلب کیا گیا۔ شیخ صاحب اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لئے ۲۴ فروری کو نئی دہلی چلے گئے اور وہاں دو دنوں تک قیام کرنے کے بعد واپس سرینگر آ گئے۔

واپسی پر سرینگر ایرپورٹ پر اخباری نمائندوں کو اُنھوں نے بتایا :

"بھارت کے ساتھ ہمارے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ اخبار والے غلط رپورٹیں دے کر ہمارے تعلقات خراب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن انھیں کامیابی نہیں ہوگی۔ ایک خالص مذہبی تقریب کو سیاسی رنگ دیکر

بعض اخبارات غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ ایسے اخبار والوں کو ہم ریاست کا ماحول خراب کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے۔"

۱۴ مارچ کو دہلی سے پرائم منسٹر کو پھر بلاوا آ گیا۔ اس بار وہ بخشی غلام محمد کو ساتھ لے کر دہلی گئے۔ ۱۷ مارچ کو دہلی سے واپس آکر انھوں نے سرینگر میں ایک تقریب کے دوران فرمایا :

"ہم نے اپنا فیصلہ گذشتہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں نہیں کیا بلکہ ۱۹۴۴ء میں اُس وقت لیا جب ہم نے مسٹر جناح کی پیش کش کو ٹھکرایا۔ ہمارا انکار قطعی نوعیت کا تھا۔ نیشنل کانفرنس نے برابر اُس وقت سے دُنیا کی بدترین مطلق العنانیت کا مقابلہ کرتے ہوئے ریاست کو مہلک دُو قومی نظریہ سے پاک و صاف رکھنے کی کوشش کی، ہم نے اپنی تقدیر ہندوستان کے ساتھ وابستہ کردی ہے۔ اس کے بارے میں کسی کو بھی شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ہمارا حتمی فیصلہ ہے۔ جو ہمیشہ برقرار رہے گا۔"

پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر شیخ صاحب کا ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کا بیان صحیح ہے۔ — اور اُنھوں نے ۱۹۴۴ء سے ہی ہندوستان کے ساتھ اپنی اور قوم کی تقدیر وابستہ کردی ہے تو ۱۴ جنوری ۱۹۴۹ء کو حضرت بل کی مقدّس درگاہ میں کلمۂ شہادت پڑھ کر آزادی اور حقِ خودارادیت کے لئے تجدید عہد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر مرکزی سرکار سے یہ کوئی بلیک میل تھا تو اس کے لئے حضرت بل کی مقدّس درگاہ اور عید میلاد النبی کی تقریبِ سعید کیوں منتخب کی گئی۔ کلمۂ شہادت پڑھ کر حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو گواہ کیوں بنایا۔

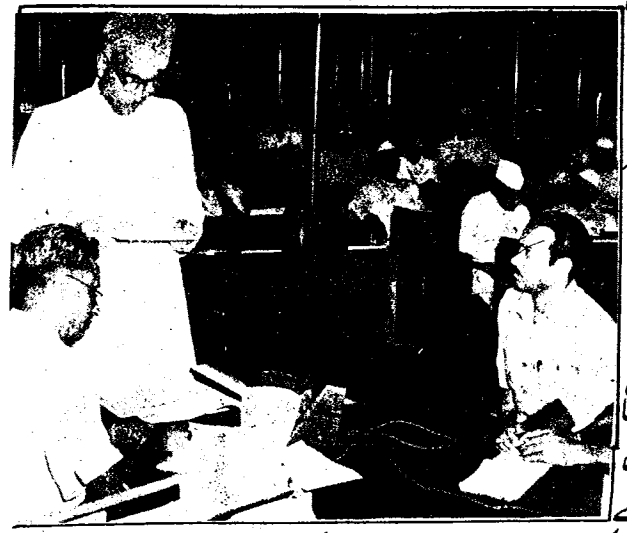
حالات اور واقعات گواہ ہیں کہ ۱۴ جنوری کا تجدید عہد ایک جھوٹ تھا دھوکہ اور فریب تھا — جبکہ ۷ مارچ کا ان کا بیان وقت نے صحیح ثابت کر دکھایا۔ پھر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ درگاہ حضرت بل میں جھوٹ بولنے، دھوکہ اور فریب دینے کی انھیں ضرورت کیوں پیش آئی ؟!

۱۴ جنوری کے جھوٹ اور ۷ مارچ کے سچ پر انھوں نے خود مہرِ تصدیق ثبت کردی ہے ۱۴ جنوری کے تجدید عہد کو جھٹلا کر اور اپنی عاقبت خراب کر کے ۷ مارچ کو انھوں نے جو بیان دیا اس پر بھی مرکزی سرکار مطمئن نہ ہوسکی چنانچہ مئی ۱۹۴۹ء کو جب پنڈت

جواہر لال نہرو سرینگر تشریف لائے تو ان کے اعزاز میں ایک دعوت کے دوران شیخ صاحب نے فرمایا:۔

"میں کشمیر کے جواہر اور ہندوستان کے لال کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ کشمیر آپ کا ہے اور ہم ہندوستان کے ہیں ۔۔ دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں ایک دوسرے سے جُدا نہیں کر سکتی!"

۱۶ر جون ۱۹۴۹ء کو ہندوستانی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی میں کشمیر کے نمائندوں نے پہلی بار شرکت کی۔ اس میں شیخ محمد عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ، مولانا محمد سعید مسعودی اور اودھمپور ڈسٹرکٹ نیشنل کانفرنس کے صدر موتی رام بیگڑہ شامل تھے۔ شیخ عبداللہ نے ہندوستانی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی میں حلف وفاداری اٹھا کر اپنے بیان میں کہا۔



"ہمیں ہندوستان کی جمہوریت اور اس کے سیکولرزم پر مکمل یقین ہے۔ اسی لئے ہم نے پاکستان کا دو قومی نظریہ مسترد کیا، ہندوستان کے ساتھ ہم نے سوچ سمجھ کر ناطہ جوڑا ہے۔ ہم نے نہرو کے ساتھ جو وعدہ کیا ہم اس وعدے کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔"

آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسہ ۱۹۴۹ء کی تقریب میں اپنے خطبۂ صدارت میں انہوں نے فرمایا:۔

"کئی سال کے بعد آج ہم نیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں پھر جمع ہوئے ہیں۔ سوپور اجلاس سے آج تک کا دور آزمائش اور امتحان

کا دور تھا۔ ہم نے صرف اصولوں کے ساتھ جنگوں میں حصہ نہیں کیا بلکہ اپنے مقاصد کی کھیتی کی آبیاری کئی بار اپنے خون سے بھی کی،

حق وصداقت کے پاک اور نیک اصولوں کے پس منظر کے سامنے جب ہم اپنے موجودہ اجلاس کو دیکھتے ہیں تو اس کی اہمیت ہماری نظروں میں اور بھی اُجاگر ہو جاتی ہے اور آج مستقبل اور اس کے عظیم مسائل کا سامنا کرتے ہوئے مجھے اپنے ساتھیوں کی یاد شدت سے ستا رہی ہے۔ جو اس سفر میں ہماری صفوں کے اولین ارکان تھے۔ مگر آج ہماری نگاہیں ان کی صورت دیکھنے کو ترس رہی ہیں۔ مرحوم راجہ محمد اکبر خان میرپوری، ماسٹر عبدالعزیز مظفرآبادی، مولوی عبدالعزیز خوشی پورہ، سردار رنگیل سنگھ ہندواڑہ، محمد مقبول شیروانی بارہمولہ، محمد مقبول بیہقی، پنڈت جانکی ناتھ سپرو، جتھیدار کپور سنگھ، عبدالغنی ترہگامی، عبدالرحیم ڈار سوپور وغیرہ جو موت کے بے رحم ہاتھوں نے ہماری صف سے اُچک لئے۔

پچھلے دو سال ہمارے ملک کو پاکستان کے وحشیانہ حملوں کا نشانہ بننا پڑا۔ یہ حملہ آور دو قوموں کی تھیوری کے منافرت انگیز اسلحہ سے لیس تھے۔ میرا عقیدہ ہے کہ دو قوموں کا نظریہ نہ صرف معاشرتی اور جمہوری اصولوں کے خلاف ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی رضا کے بھی منافی ہے۔ کشمیر کے لوگ اپنی آزادی کے حصول اور اس کی حفاظت میں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہائیں گے۔"

ریڈیو کشمیر سرینگر کی دوسری سالگرہ ۲۷ر مارچ ۱۹۵۰ء کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے شیخ صاحب نے ہندوستان کو ایشیا کا عظیم ترین جمہوریہ، شوشلزم اور سیکولرزم کا علمبردار کشمیر کا دلدادہ اور کشمیریوں کا بے لاگ دوست کہہ کر پاکستان کے ساتھ اس کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ہمارے اعتقادات اور پاکستان کے خیالات میں کوئی بات مشترک نہیں پاکستان کا وجود انسانی نفرت پر ہے لیکن نیشنل کانفرنس نے جو ریاست کی واحد نمائندہ جماعت ہے ہمیشہ مختلف طبقوں کے درمیان رواداری

اور دوستی کو تقویت پہنچائی ہے۔ مقاصد اور نظریات کی مماثلت نے نیشنل کانفرنس اور انڈین نیشنل کانگریس کو ایک ہی لڑی میں پرویا ہے۔"

جنوری ۱۹۴۹ء میں حضرت بل میں تجدید عہد کے بعد بھارتی حکمرانوں کو منانے کے لئے شیخ صاحب کو اپنی صفائی میں دنیا کی ساری نفرت پاکستان کے سر تھوپ دینی پڑی اور دنیا کی ساری دلیلیں الحاق کے حتمی ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا پڑیں ــــ لیکن مرکزی سرکار پھر بھی راضی نہ ہوئی۔ مرکزی سرکار کی اس ناراضگی سے حظ اُٹھا کر جموں کے بعض لیڈروں نے پورا پورا فائدہ اُٹھانا شروع کیا۔

ریاست قحط، اشیاء کی نایابی اور مہنگائی سے دوچار تھی لوگ عوامی راج سے سخت نالاں تھے۔ وادی میں نیشنل کانفرنس کے والنٹیروں نے لوگوں کی زبان بندی کر دی تھی۔ لیکن جموں میں رشی کمار کوشل، رام ناتھ شاستری اور دوسرے لوگ شیخ سرکار کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ حکومت کے خلاف جموں سے ایک تحریک شروع ہوگئی۔ جس سے شیاما پرشاد مکرجی نے اپنے آپ کو وابستہ کر دیا۔

اِن حالات میں بھی وہ یہاں پاکستانی آثار مٹانے میں کوئی پس و پیش نہیں کر رہے تھے۔ اِس دوران یہاں ایک ایسی لابی خفیہ طور پر پاکستان کے لیے کام کر رہی تھی۔ شیخ صاحب کو اس لابی کی سرگرمی کے بارے میں پتہ چلا تو انہوں نے پہلی فرصت میں اس پر ایسا وار کرایا کہ یہ لابی ایسی دب گئی کہ پھر اُبھر نہ سکی۔ اِس لابی میں محمد شفیع قریشی۔ میر واعظ نورالدین شوپیان، حاجی جلال الدین چرار شریف، اقبال چاپری، غلام رسول لاوے، عبدالاحد نشاط، محمد یوسف قریشی، سردار شاہ اور دوسرے شامل تھے۔

میر واعظ نورالدین، سردار شاہ، غلام رسول لاوے اور محمد یوسف قریشی کو جلاوطن کیا گیا جبکہ محمد شفیع قریشی، اقبال چاپری، حاجی جلال الدین اور عبدالاحد نشاط کو جموں جیل میں محبوس کیا گیا۔

امید و بیم نے مارا مجھے دوراہے پر
کہاں کے دیر و حرم، گھر کا راستہ نہ ملا

بحیثیتِ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کے دو اہم پہلو

اس بات سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شیخ محمد عبداللہ کی مسلسل تقریروں اور سحر بیانیوں کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک مردہ قوم بیدار ہوگئی۔ ایک ایسی قوم جسے کشمیر سے باہر کی دنیا میں حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور اسے حقارت آمیز لفظ "ہنتو" سے یاد کیا جاتا تھا۔ ایک ایسی قوم جو صدیوں کی غلامی کی وجہ سے ہمت، استقلال، عزت اور حمیت سے کلیتاً ہاتھ دھو چکی تھی اور اپنی بزدلی میں آپ اپنی مثال تھی۔ باعزت، باہمت اور دلاور بنانا اُن کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے اور پھر اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ جدوجہد سیل حوادث میں اُنھوں نے جس ڈپلومیسی کا ثبوت دیا وہ ناقابل فراموش ہے۔ اُن کی مسلسل کوششوں سے کم از کم وادی کے لوگوں میں آزادی کی قدر و قیمت پیدا ہونے کا اندازہ جاگزین ہوا۔ یہ اُن کی مساعی کا نتیجہ ہے کہ یہاں فرقہ وارانہ نفرت کا قلع قمع ہوسکا۔ اُنھوں نے اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت فراہم کیا کہ مسلم کانفرنس کے بطن سے جس نیشنل کانفرنس کا وجود ہوا وہ اب اس مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کے بعد پنپنے نہیں دیں گے نیشنل کانفرنس بن جانے کے بعد وہ سیکولرزم میں ایسے رنگ گئے کہ وہ ہر دم اسی کی مالا جپنے لگے



(شیخ محمد عبداللہ دو روپ)

انہیں اس بات کا زعم ہوا کہ وہ یہاں کے دبے کچلے عوام میں خودی اور خودداری کا شعور بیدار کرنے میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔

ایک ایسے ملک میں جہاں تعلیم یافتہ لوگوں کی برابر کمی موجود ہو اور سیاسی شعور بھی بیدار نہ ہو اور اقتصادی بدحالی زوروں پر ہو، جہالت لوگوں کے ذہنوں کو اپنے ڈگر پر چلانے کے لیے جس سیاسی شعور اور شاطری کی ضرورت ہے وہ شیخ عبداللہ میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ ایک طرف لوگوں کی نبض پر ان کا ہاتھ تھا۔ دوسری طرف وہ زر جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

شیخ محمد عبداللہ میں سارے کاروان کو اپنے پیچھے چلانے کی نہ صرف سکت تھی بلکہ وہ اس کی تکنیک بھی جانتے تھے۔ وہ ایک کامیاب اداکار ہی نہیں بلکہ مکمل فنکار بھی تھے۔ اُن میں اگر کسی چیز کی کمی تھی تو وہ دُور اندیشی کی کمی تھی۔

ان کی حکمرانی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اُنھوں نے ریاست بھر میں جاگیرداری، چکداری، زمینداری اور ذیلداری کا خاتمہ کیا اور اس ڈھنگ سے کیا کہ ہزاروں لوگوں کو بدترین نظام سے چھٹکارا مل گیا اور اس اتنے بڑے کام کی عمل آوری میں کسی جانب سے مزاحمت نہ ہو سکی۔

چکداروں سے بلا کسی معاوضہ کے دو سو کنال کے قریب رقبہ جات کاشتکاروں کو منتقل کر دیئے۔ یہ کام ایک بڑا کرشمہ تھا اور اسے بڑی دلیری سے انجام دیا گیا۔

اُن کی وزارت میں سرمایہ داروں اور وڈیروں کے ظالمانہ چنگل سے ہزاروں لوگوں کو چھٹکارا مل گیا۔ کوآپریٹو قرضہ جات سے بھی بہت سارے لوگوں کو یکسر آزاد کر دیا گیا۔

ان اقدامات سے کسانوں اور غربا کی جان میں جان اور اُنھیں آزادی کا سانس لینا نصیب ہوا۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے دور ابتدا میں ریاست پر غیر ریاستی باشندوں کے داخلہ پر پابندی کو لازمی قرار دیا اور بنا پاسپورٹ کے کوئی بھی غیر ریاستی کشمیر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی بھی غیر ریاستی کے لئے ریاست میں شہری بننے پر ضروری پابندی عائد تھیں۔ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ کوئی غیر ریاستی کسی ریاستی باشندے سے زمین وغیرہ خرید نہ سکے۔

مہاراجہ کے اس قسم کے اقدامات کو مرکز ناراضگی سے دیکھ رہی تھی اور چاہتی تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے ان پابندیوں کو ہٹا دیا جائے چنانچہ انھوں نے اس کام کے لیے شیخ صاحب پر زور ڈالا۔ وہ اُن کی کمزوری سے کماحقہ واقف تھے۔

ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی ان پابندیوں کو توڑنے کے لئے کشمیر میں داخل ہوئے تو حکومت نے اُنھیں گرفتار کر لیا اور وہ نظر بندی کی حالت میں بیمار ہو کر فوت ہوئے۔

ڈاکٹر شیاما پرشاد کی موت سے پیدا شدہ صورت حال سے فائدہ اُٹھا کر مرکز نے کشمیر میں مداخلت کرنا شروع کی اور یہیں سے ایک ایک کر کے تمام پابندیاں ہٹائی گئیں بلکہ ریاست جموں وکشمیر کو دوسری ریاستوں کے ہم پلّہ بنانے کے اقدامات کئے گئے اور اس کے ساتھ مرکز اور ریاست کے درمیان اختلافات کا آغاز ہوا۔ جموں کی ایجی ٹیشن نے کسی حد تک شیخ عبداللہ کو نروس کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ اس کے خلاف چٹان بن گئے اور اُنھوں نے جموں ایجی ٹیشن کے آگے جُھکنا منظور نہ کیا۔ لیکن مرکزی سرکار کی طرف سے مختلف مدوں میں خرچ کئے جانے والے فنڈس کا ناجائز اور نامناسب استعمال کرنے لگے۔ جس سے اُن کے عہدے کا دوسرا پہلو نمایاں ہو گیا۔ اُن کی بہادری کمزوری بن گئی۔ اُن کی عزّت اور وقار بہت متاثر ہوا۔ ریاست جموں وکشمیر کے وزیر اعظم ہر مہینے دہلی کا ایک دو چکّر لگا کر ضرور آتے تھے۔ مرکزی سرکار میں تشکیل نو کے دوران جب اجیت پرشاد جین کو مرکزی وزارت میں لے کر اُنھیں RELIEF AND REHABILITATION کا پورٹ فولیو دیا گیا تو شیخ صاحب دہلی گئے۔ دہلی میں اُن کا مسئلہ کشمیر پر ایک بیان ہندوستان ٹائمز کی ۱۳ فروری ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں چھپا:

"کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کسی غرض پرستی یا دباؤ کے تحت نہیں ہوا ہے بلکہ یہ دراصل ہمارے اصولوں اور آدرشوں کا الحاق ہے۔ ہمارے سوچنے کا ڈھنگ اور ہمارے ذہنوں کا نقطۂ نظر ایک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا الحاق ہندوستان کے ساتھ ہوگا۔ نہ کہ پاکستان کے ساتھ!"

شیخ صاحب ہندوستان ٹائمز کے اخبار کا یہ شمارہ لے کر اجیت پرشاد جین کی کوٹھی پر اُن سے ملنے گئے۔

اِس بیان میں لفظ "ہوگا" بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں جو اغراض

ومقاصد پوشیدہ ہیں۔ وہ آگے جاکر خود بخود آشکارا ہوجاتے ہیں۔

اجیت پرساد جین کی کتاب "KASHMIR' WHAT REALLY HAPPENED" اور گوپالاسوامی آئینگر کے نوٹ ان مقاصد کو اُجاگر کرنے میں کسی قدر ضرور مدد دے رہے ہیں۔

اجیت پرساد جین لکھتے ہیں :-

"شیخ عبداللہ کے ساتھ یوں تو میرے نزدیکی تعلقات ۱۹۴۰ء سے رہے ہیں۔ ہم دونوں میں کئی ملاقاتیں ہوئی تھیں وہ میرے پاس سہارنپور بھی آیا کرتے تھے۔ میرے ہی گھر میں اُن کی ملاقات مولانا حسین مدنی کے ساتھ ہوئی تھی رفیع احمد قدوائی سے بھی ایک روز چائے پر ہم نے شیخ عبداللہ کو ملایا تھا۔

۱۹۵۰ء میں جب شیخ محمد عبداللہ ریاست کے پرائم منسٹر تھے تو وہ میرے پاس آئے اور رفیوجی مسئلے پر میرے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنے لگے۔

جواہرلال نہرو نے ۱۹۴۸ء میں کشمیر کے دورے سے واپسی پر کہا تھا رفیوجی ایک بڑا سنگین مسئلہ ہے اور ہندوستانی حکومت پر یہ ایک بھاری بوجھ ہے۔ جس سے ہمیں جلدی سے جلدی نپٹ لینا ہے۔ میرے مرکزی وزارت میں آتے ہی شیخ عبداللہ اِن رفیوجیوں کی امداد کے لئے دہلی میں مجھ سے ملے میں نے ان سے کہا کہ مجھے رفیوجیوں کے بارے میں رپورٹ دی جائے لیکن نہ مجھے رفیوجی کیمپ اور نہ ہی ان کی صحیح تعداد کے بارے میں بتایا گیا۔ میں نے ان کیمپوں میں عورتوں کی تعداد کے بارے میں پوچھا اور یہ بھی پوچھا کہ انھیں کس قسم کی امداد کی ضرورت ہے۔ مگر مجھے نہیں بتایا گیا۔

اِس وقت ریاست واقعی کمزور تھی اور امداد کی مستحق تھی۔ لیکن مدد کے لئے اعداد و شمار فراہم نہیں کئے جارہے تھے۔

شیخ عبداللہ نے مجھ سے بیس لاکھ روپے مانگے اور میں نے اتنی رقم دینے کے لئے انھیں کوئی جھجک نہیں دکھائی لیکن جس چیز نے مجھے سخت مایوس کردیا وہ رقم مانگنے کا اُن کا طریقہ تھا۔ اُنھوں نے خرچہ دکھانے سے معذوری ظاہر کی اور کم سے کم خرچہ کے بارے میں بھی کوئی معقول جواب نہ دیا۔ میں نے اپنی منسٹری کی طرف سے اس خرچہ کی جانچ پڑتال کرانی چاہی۔ وہ بھی

کرنے نہیں دی، ہم نے ہندوستان کے آڈیٹر جنرل سے اس کا آڈٹ کرانا چاہا لیکن یہ بھی نہیں ہونے دیا۔ حالانکہ اس کام میں وہ مداخلت نہیں کرسکتے تھے چونکہ وہ جواہرلال نہرو کے ساتھی تھے۔ اس لئے ہم بھی رقومات فراہم کرنے سے انکار نہیں کرسکے۔ کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق کرانے میں انھوں نے جو رول ادا کیا تھا وہ نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی کشمیر کے لوگوں پر گرفت مضبوط تھی وہ ہماری ناراضگی سے دوسرا رُخ بھی اختیار کرسکتے تھے اس بات کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ لہٰذا میں نے ان کو ناراض کرنے کے بجائے اس سلسلے میں گوپالاسوامی آئینگر سے ملنے کا فیصلہ کرلیا۔

گوپالاسوامی آئینگر کیبنٹ منسٹر تھے اور وہ کشمیر میں پرائم منسٹر بھی رہ چکے تھے۔ وہ کشمیر میں پنڈت نہرو کے خاص ایلچی رہ چکے تھے۔ اور کشمیر کے معاملات میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ گوپالاسوامی آئینگر جب اِس سلسلے میں پنڈت نہرو سے ملے اور انھیں بتایا کہ شیخ عبداللہ بیس لاکھ روپے مانگ رہے ہیں۔ لیکن نہ وہ اس کے لئے کاغذات مکمل کررہے ہیں اور نہ ہی بیس لاکھ کی رسید دے رہے ہیں۔ تو پنڈت نہرو نے کہہ دیا۔ یہ رقم میرے نام لکھ دو اور اس کی رسید مجھ سے لے لو لیکن انھیں یہ رقم دیدو۔"

گوپالاسوامی آئینگر نے اجیت پرساد جین کو رقومات دینے کو کہا۔

اس سلسلے میں انھوں نے لکھا ہے :

"میں نے پورے بیس لاکھ روپے شیخ صاحب کے حوالے کردیئے۔ لیکن میں یہ نہیں جان سکا کہ انھوں نے اتنی بڑی رقم کا کیا کیا اور کس چیز پر صرف کی۔ اِس رقم کا کہیں کوئی حساب و کتاب نہیں۔"

پنڈت نہرو کی ہدایت پر شیخ عبداللہ کو بیس لاکھ روپے دیئے گئے۔ لیکن اس رقم پر اُنھوں نے کڑی نگاہ رکھوائی اور رفیوجی کیمپوں میں I.B. کے ایجنٹ بٹھوا دیئے۔ تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ اس رقم کو رفیوجیوں پر صرف کیا جارہا ہے یا نہیں اور اگر کیا جارہا ہے تو کس حد تک۔

وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو کو I.B. کی طرف سے جو رپورٹ اِس سلسلے

۔میں موصول ہوئی۔ اس کی پاداش میں شیخ صاحب نہ صرف ان کی نظروں میں مشکوک بن گئے بلکہ وہ بلیک میل کے شکار بھی ہوئے۔



(ڈی۔ پی۔ در)۔

شری ڈی۔ پی۔ در نے مسز اندرا گاندھی کا پیامبر بن کر شیخ صاحب کی معزولی کے ایام میں جب ان کے ساتھ مارچ ۱۹۷۲ء ۳۔ کوٹلہ لین نئی دہلی میں ملاقات کا سلسلہ شروع کیا تو ابتدا میں شیخ صاحب نے بے رُخی دکھائی۔ لیکن جب ڈی۔ پی۔ در نے رفیوجی فنڈس اور آبادکاری کی فائل دکھائی جس میں ریلیف کے جعلی دستخطوں کے شیٹ اور حساب وکتاب کا فرق نمایاں تھا۔ تو وہ ششدر رہ گئے اور پہلی بار انھیں B-I-C کے کام کا اعتراف کرنا پڑا (اس بارے میں مکمل تفصیلات اگلے باب میں آئیں گی) اس طرح وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ کی خودداری اور کمزوری اچھے کام اور برے کام دونوں واضح ہوگئے۔ یعنی ان کے دو اہم پہلو واضح ہوگئے

داد دیجئے ہمیں، جی رہے ہیں وہاں
ہیں محافظ جہاں، قاتلوں کی طرح

کشمیر پر عوامی راج کے بھیانک سائے
ہائے کس نے یہ سب ستم ڈھائے

مہاراجہ ہری سنگھ کے تخت وتاج چھوڑ کر کشمیر سے جانے کے بعد شیخ محمد عبداللہ یہاں کا شہنشاہ بن گیا۔ اگرچہ ان کے اس راج کو عوامی راج کا نام دیا گیا لیکن بعض حالات میں یہ ڈوگرہ راج سے مختلف نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آدمی اور وردی بدل گئی اور کچھ نہ بدلا تو غلط نہ ہوگا



کشمیری قوم پہلے بھی لاچار، مجبور اور بے بس تھی۔ اب بھی یہی صورتِ حال تھی۔ پہلے ایک کے ہاتھ میں طاقت تھی۔ اب یہ طاقت دوسرے کے ہاتھ میں آگئی۔ پہلے مظلوم کشمیریوں پر ڈوگرہ فوج ڈنڈے برساتی تھی۔ اب اس کی جگہ نیشنل فوج نے لے لی۔ کشمیر قوم پر جو ڈنڈا پہلے تھا سو اب بھی ہے۔

شیخ محمد عبداللہ کے شہنشاہ کشمیر بننے سے کشمیری قوم نے اپنا ایک اہم حق "رائے شماری" کھو دیا۔ اپنی حکمرانی کی بحالی کے لئے شیخ صاحب نے کشمیری قوم کے سب سے بڑے حق کو جسے ساری دُنیا رائے شماری کے نام سے تسلیم کر چکی تھی۔ اپنے تخت وتاج کی بھینٹ چڑھا دیا۔

کشمر کا مالک ومختار بنتے ہی شیخ عبداللہ نے جو پہلا کام کیا وہ صفِ اوّل کے مجاہد غلام نبی گلکار کو اُن کی تحریک میں قربانیوں کا صلہ عطا کیا گیا۔

غلام نبی گلکار اپنے گھر واقع فتح کدل میں صبح کی چائے پی رہے تھے کہ اُن کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ وہ باہر آئے تو ایک سپاہی نے اُن کے مُنہ پر زور کا تھپڑ رسید کیا، دوسرے

نے اُن کا بازو پکڑ کر اُنھیں باہر کھینچ لیا اور تیسرے نے انھیں دھکا دیا۔ اس طرح تحریکِ حُریت کے بانی کو پیٹنے گھسیٹتے تھانے پر پہنچایا گیا۔ اُن کا قصور یہ تھا کہ انھوں نے پاکستان جانے سے انکار کیا تھا۔ غلام نبی گلکار مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کے خلاف تھے۔ اُنھوں نے تحریک کے دوران شیخ صاحب پر پارٹی فنڈس میں ہیرا پھیری کرنے اور قومی دولت کو غبن کرنے کا الزام لگایا تھا۔ اس کی پاداش میں انھیں پاکستان چلے جانے کو کہا گیا، تاکہ ایسے چرچر کرنے والوں سے کشمیر خالی رہے۔

غلام نبی گلکار پر کشمیر کے پاکستان چلے جانے سے انکار پر کشمیر کے نئے مہاراجہ کو سخت طیش آیا اور اُن کو کچھ اس طرح جیل بھجوا دیا کہ ڈوگرہ راج میں بھی کبھی اُنھیں اس طرح سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ کشمیر کی تاریخِ تحریکِ حریت میں جن غلام نبی گلکار کا نام عزّت و احترام کے ساتھ لے کر سنہری حروف میں لکھنے کے قابل تھا۔ اُنھیں عوامی راج میں مارتے پیٹتے پہلے تھانے اور پھر جیل پہنچا دیا گیا۔

شیخ محمد عبد اللہ نے اپنی کتاب "آتش چنار" میں غلام نبی گلکار کی قربانیوں، اُن کی نڈرتا اور جرأت کی خود تعریفیں کی ہیں۔ غلام نبی گلکار ڈوگرہ راج میں شیخ صاحب کے ساتھ جیل جایا کرتے تھے اور کوئی سزا لینی ہوتی تو شیخ صاحب کے بدلے لے لیتے تھے۔ قلعہ ہاری پربت میں قیدی بنا کر جب ان کے سامنے مرنے مارنے کا ڈراما رچایا گیا تو یہ غلام نبی گلکار ہی تھے جنھوں نے شیخ عبد اللہ کی جگہ اپنے آپ کو پیش کیا اور یہ شیخ صاحب ہی تھے جنھوں نے پاکستان میں گلکار صاحب کی موت پر قوم کو غلام نبی گلکار جیسے محسن کو بھول جانے پر ملامت کی تھی اور کہا تھا۔ جب میں مر جاؤں تو مجھے یہاں دفن کرنے کے بجائے بحیرۂ عرب میں ڈال دینا۔ کیونکہ یہ قوم غلام نبی گلکار جیسے لیڈر کو بھول گئی ہے۔

غلام نبی گلکار کو سرینگر سینٹرل جیل سے نکال کر جموں پہنچایا گیا اور وہاں کی سب سے اذیت ناک جیل قلعہ باہو میں بند کر دیا گیا۔ اس وحشیانہ جیل میں تب تک ان کا قافیہ تنگ کیا گیا جب تک کہ وہ پاکستان جانے کے لئے راضی نہ ہوئے۔

غلام نبی گلکار سے چھٹکارا پانے کے بعد اُنھوں نے مولوی عبد اللہ وکیل کے فرزند بشیر احمد کو بھی گرفتار کروایا جو اُنھیں بھارت کے ہاتھوں کشمیر کو بیچ کھانے کا طعنہ دے چکے تھے۔ یہ وہی بشیر احمد تھے۔ جنھوں نے تحریک کی ابتداء میں منشی نصیر الدین

کے ساتھ مل کر ریڈنگ روم جاری کرنے کے لئے بھیک مانگی تھی۔ یہ بشیر احمد ہی تھے۔ جو تیزاب سے درخت کے پتّوں پر شیر کشمیر لکھ کر اُنھیں ماقوق الفطرت بنا رہے تھے بشیر احمد نے نوجوانی میں تحریک کی جو آبیاری کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

بشیر احمد کی گرفتاری پر ان کے والد بزرگوار مولوی عبد اللہ وکیل شیخ صاحب سے شکایت کرنے اُن کے دفتر گئے۔ مولوی صاحب شیخ عبد اللہ کو اپنی اولاد سمجھ کر اُن سے ایسے پیش آئے جیسے ایک باپ اپنے بیٹے سے پیش آتا ہے۔ دراصل یہ مولوی صاحب کی بھول تھی۔ وہ اپنے بیٹے سے نہیں بلکہ کشمیر کے سب سے بڑے حکمران سے ہمکلام تھے اور ایک حکمران کے سامنے بات کرنے کا وطیرہ بھولنے کا مولوی عبد اللہ کو چپراسی کے ذریعے جو سبق دیا گیا۔ اس کو وہ مرتے دم تک نہ بھول سکے۔

عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ سیکریٹریٹ میں چپراسی کے ذریعے باہر نکلوانے کے بعد مولوی عبد اللہ وکیل دماغی توازن سنبھال نہ رکھ سکے اور وہ اسی صدمہ سے جاں بحق ہو گئے۔

کرنل عدالت خاں کے بیان کے مطابق مولوی عبد اللہ وکیل شیخ صاحب کے پاس اپنے بیٹے بشیر احمد کو قید سے چھڑانے کے بجائے یہ کہنے آئے تھے کہ اُنھیں ہسپتال کے زنانہ وارڈ سے نکلوا کر مردانہ وارڈ میں منتقل کیا جائے کیونکہ جیل میں بیمار پڑنے کے بعد اُنھیں ہسپتال میں بھرتی کرایا گیا تھا۔

کشمیر میلیشیا کی زیادتیوں کے خلاف سوم ناتھ تکو ایڈیٹر ویکلی "نیو کشمیر" نے ایک اداریہ لکھا اور انتظامیہ کو خبردار کیا کہ ملیشیا میں شامل بعض جوانوں کی حرکات سے تنظیم بدنام ہو رہی ہے۔ اس کی پاداش میں اخبار کے دفتر واقع ریزیڈنسی روڈ پر ان پر حملہ کیا گیا۔ تکو صاحب کو تب تک کرسی سے اُٹھنے نہیں دیا گیا جب تک اُن کے سامنے دفتر کا سارا سامان اور فرنیچر توڑ پھوڑ نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد سوم ناتھ تکو کی ٹانگیں اور بازو پکڑ کر اُنھیں آویزاں کر کے سڑک پر لایا گیا۔ یہاں پیٹ کے بل لیٹ کر لال چوک کی طرف چلنے کو کہا گیا۔ جب پیٹ کے بل ان سے چلا نہیں گیا تو لاتوں اور گھونسوں سے اُسے ادھ مرا کیا گیا۔ اُس کی ناک سے خون بہنے لگا۔ اُنھیں اسی حالت میں مردہ جانور کی طرح کھینچ کر لال چوک کے پاس ہوٹل کارونیشن لایا گیا۔ یہاں پہلے اُن کی کان پکڑی کرائی گئی اور پھر یہ دھمکی دے کر چھوڑ دیا گیا کہ پھر کبھی اخبار میں ایسی خرافات لکھی اور شیخ عبد اللہ کی صالح حکومت

بدنام کرنے کی کوشش کی تو تمھاری خیر نہیں۔ سومناتھ تکو کپڑے جھاڑ کر اور خون صاف کر کے باہر جانے لگے تو پیچھے سے ایک ایسی لات ماری گئی کہ وہ سیڑھیوں پر سے لڑھکتے ہوئے نیچے آگئے۔ اگلے روز وہ کشمیر کو خیرباد کہہ کر یہاں سے بھاگ گئے۔


(محمد اقبال چاپری)

کشمیر بوٹ مینز ایسوسی ایشن کے صدر محمد اقبال چاپری کو مسلم کانفرنس کا حامی برقرار رہنے پر نہ صرف گرفتار کیا گیا بلکہ گھاس کی رسّی سے دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ کر لال چوک کی طرف لے جایا گیا۔ ڈل گیٹ کے پاس گندی نالی سے کیچڑ نکال کر اُن کے چہرے پر مل دی گئی۔ راستے پر چلتے ہوئے اُن کے مُنہ پر راہگیروں سے تھوکوایا گیا۔ جو راہگیر ایسا کرنے سے اِنکار کرتا اس کی گویا شامت آجاتی۔

محمد اقبال چاپری کو اس قسم کا صلہ شاید اس لئے دیا گیا کہ اُن کے باپ عبدالغفار چاپری نے تحریکِ حریت کے دوران لیڈران قوم کے لئے مجاہد منزل کے پاس اپنا ایک ہاؤس بوٹ وقف کر دیا تھا۔ ڈوگرہ شاہی کے خلاف تحریک کا بیشتر ریکارڈ اسی ہاؤس بوٹ میں پوشیدہ تھا۔ جس کو برف باری میں بچانے کے لئے اقبال چاپری کو اپنی جان پر کھیلنا پڑا تھا۔ تنظیم کا ریکارڈ بچاتے بچاتے وہ رات کے بارہ بجے پانی میں ڈوب گئے تھے اور اُس وقت چلّۂ کلاں میں اُن کا بچنا معجزہ سے کچھ کم نہ تھا۔

اقبال چاپری کو تحریک میں اُن کی قربانیوں کا کیچڑ مل کر صلہ دیا گیا۔ جب اس سے بھی جی نہیں بھرا تو سینٹرل جیل بھیجکر جیس بے جا میں رکھا گیا۔ اقبال چاپری جب سینٹرل جیل میں قیدی بنائے گئے تو انھوں نے دیکھا کہ اُن کا باپ پہلے ہی یہاں لایا جا چکا ہے۔

چودھری حنیف محمد اور سیف الدین (پرنسل) کو ریڈیو پاکستان سُننے کی پاداش میں پہلے زدکوب کرایا گیا اور پھر جیل کی اس کال کوٹھری میں انھیں بند کیا گیا جہاں عام طور پر قاتلوں کو رکھا جاتا ہے۔

کویٹ کشمیر کے دوران ضمانت دلانے میں کنہیالال وکیل نے عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا تھا۔ چنانچہ حکومت میں آتے ہی کنہیالال وکیل کی پگڑی اُتار کر انھیں اُسی پگڑی سے باندھ کر مُردہ جانور کی طرح لال چوک لایا گیا اور یہاں شام لال واٹھ کی ہدایت پر سینٹرل جیل

بھیجا گیا۔ اصل میں شام لال واٹھ کو اُن سے کوئی ذاتی عناد تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے نیشنل کانفرنس کی قبا پہن کر ان سے ایسا بدلہ لیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا غلام احمد کشفی اخبار "خدمت" کے مدیر تھے اور یہ اخبار نیشنل کانفرنس کا آفیشل آرگن تھا۔ اس اخبار کی ادارت مولانا محمد سعید مسعودی اور مولانا کشفی کے ہاتھ میں تھی۔ چونکہ سیاست میں اُلجھنے کے سبب مولانا مسعودی اخبار کی طرف کم ہی توجہ دے سکتے تھے۔ اس لئے اس کا سارا بار مولانا کشفی اُٹھائے ہوئے تھے۔ مولانا کشفی نہ صرف عالم فاضل تھے بلکہ نہایت ہی حلیم، ملنسار اور بڑے زود نویس بھی تھے۔ ان کی ملنساری ایک مثال مانی جاتی تھی۔


(مولانا مسعودی)

شیخ محمد عبداللہ جب وزیر اعظم بن گئے تو ان کے شیدائی انھیں قائد اعظم کے لقب سے نوازنے لگے۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں عید کے روز اُنھوں نے عید گاہ میں تقریر فرمائی تو اسٹیج پر ان کے نام کے ساتھ قائد اعظم جوڑ کر نعرے لگائے گئے۔ اگلے روز یہ تقریر اخبار "خدمت" میں آئی تو اس میں قائد اعظم کا کہیں ذکر نہ تھا۔ قائد اعظم کے بجائے "شیرِ کشمیر" لکھا گیا تھا۔ شیخ صاحب نے مولانا مسعودی سے شکایت کی کہ میرے نام کے ساتھ قائد اعظم کہاں ہے؟ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ میں علامہ کشفی صاحب سے پوچھ لوں گا۔

اگلے روز جب مولانا کشفی صاحب کے پاس شیخ صاحب کی شکایت رکھی گئی تو کشفی صاحب نے جواب دیا۔ "شیخ صاحب کچھ بھی ہو سکتے ہیں لیکن قائد اعظم نہیں۔ قائد اعظم تو محمد علی جناح ہیں۔"

کشفی صاحب کا یہ جواب شیخ عبداللہ تک پہنچ گیا۔ وہ اسی وقت اسٹک لے کر اخبار "خدمت" کے دفتر پر پہونچے اور پہنچتے ہی علامہ کشفی پر تابڑ توڑ ضربیں لگائیں۔ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا اور کیوں ہو رہا ہے۔ کشفی صاحب کو اس طرح پیٹتے دیکھ کر جو بھی اُن کے بچاؤ کے لئے سامنے آیا وہ بھی پٹ گیا۔

مار پیٹ کر کے علامہ کشفی کو شیخ صاحب نے کمرے سے باہر نکال دیا اور پھر انھیں زور سے سیڑھیوں سے نیچے گرا دیا۔ علامہ کشفی سیڑھیوں سے گر کر لہولہان ہو گئے۔ چنانچہ انھیں اُٹھا کر ہسپتال لیجایا گیا۔ ابھی ہسپتال میں ان کی مرہم پٹی ہو رہی تھی کہ پولیس انھیں گرفتار

کر کے لے گئی۔

سابقہ وزیر اعظم رام چند کاک کو پاکستان کی حمایت کرنے اور ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنے کی پاداش میں گھر سے دھکے دے کر باہر نکلوایا گیا۔ گھاس کی رسی سے اُن کے دونوں بازو پیچھے کی طرف بندھوا کر ان کا جلوس نکلوایا گیا۔ راستے بھر چلتے ہوئے نہ صرف انھیں لاتوں اور گھونسوں سے مجروح کیا گیا بلکہ ان کے مُنہ پر تھوکا بھی گیا۔ اُن کے رتبے اور سابقہ عہدے کا کوئی پاس نہ کیا گیا۔ من چلے جوانوں کے ہاتھوں انھیں حوالہ کر کے جو اُن کی درگت بنوائی گئی اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔


(رام چند کاک)


(علی محمد بٹ)

کرنل عدالت خاں اور علی محمد بٹ عرف طورہ درگجن کو عوام سے اس وقت پٹوایا جب وہ نمائش گاہ کے پاس قبائلیوں کے بارے میں غلط بیانی اور من گھڑت باتیں بتا کر عوام کو اُن کے بارے میں مشتعل کر رہے تھے۔ کرنل عدالت خاں اور علی محمد بٹ نے شیخ صاحب سے مخاطب ہو کر پوچھا تھا:۔

"کیا یہ سب کچھ آپ جو قبائلیوں کے بارے میں کہہ رہے ہیں دل پر ہاتھ رکھ کر سچ کہہ رہے ہیں؟"

ان دونوں اشخاص کی طرف سے اتنی سی بات پوچھنے پر انھیں فقہ کا لم کہہ کر لوگوں کو ان کے خلاف اُکسایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لوگوں کے ہاتھوں ایسے پٹے کہ مرتے مرتے بچے مشتعل لوگوں نے ان کے سینوں پر چڑھ کر جو دھما چوکڑی کی اس سے اُن کا بچنا یقیناً معجزہ ہے۔

اس حادثہ سے نکل کر کرنل عدالت خاں پاکستان چلے گئے اور علی محمد طورہ نے کشمیر کو خیر باد کہہ دیا۔ وہ انڈین ایئر فورس میں شامل ہو گئے۔

قریشی محمد یوسف نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ پر اس لئے نالاں تھے۔ کیونکہ عوامی راج میں عوام ڈوگرہ راج سے بھی زیادہ ظلم و ستم کے شکار ہو رہے تھے۔ نمائش گاہ کے احاطے میں قریشی صاحب نے عوامی اجتماع میں فرمایا:۔

"شیخ عبداللہ اپنے کرتوت پر پچھتا رہے ہیں۔ وہ اب آگے جا سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ ان کے آگے چاہ اور پیچھے کھائی ہے۔ آپ دیکھ لینا وہ عنقریب اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔"

اسی دوران شیخ صاحب غلام قادر گاندربلی کے ہمراہ یہاں آ گئے۔ انھوں نے خود ہی اپنی اسٹک سے قریشی محمد یوسف کو اتنا مارا کہ انھیں بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ قریشی صاحب کی اس حالت کو دیکھ کر مسلم کانفرنس کے ورکر نیشنل پارٹی کے ورکروں سے اُلجھ گئے۔ نوبت ہاتھا پائی تک آ گئی۔ طرفین کے کئی لوگ شدید زخمی ہو گئے۔ اگلے روز جب شیخ صاحب نیشنل کانفرنس کے کارکنوں کی خیریت معلوم کرنے ہسپتال گئے تو انھیں بتایا گیا کہ قریشی محمد یوسف بھی یہاں زیر اعلاج ہیں۔ قریشی صاحب کا نام سن کر انھیں سخت غصہ آیا اور اسی لہجے میں بولے "وہ حرامزادہ ابھی زندہ ہے — مرا نہیں!"


(قریشی محمد یوسف)

قریشی محمد یوسف کے ساتھ اُلجھنے کے بعد شیخ عبداللہ نے غلام قادر گاندربلی کو پاکستان نوازوں کے ساتھ ٹھیک طرح سے پیش آنے کی ہدایت دی۔ حالانکہ گاندربلی پہلے ہی یہاں چُن چُن کر پاکستان نوازوں کا کچومر نکال رہے تھے۔ شیخ صاحب کی ہدایت پر اب وہ کچھ زیادہ سرگرم ہو گئے۔

پاکستان کا نام لینا نہ صرف گناہِ عظیم بن گیا بلکہ یہ سب سے بڑا قصور بھی مانا گیا۔ مُسلم کانفرنس کے حامیوں اور مسلم لیگ کے طرفداروں سے وہی برتاؤ کیا جانے لگا۔ جو کبھی نازی جرمنی میں کیا جاتا تھا۔

پاکستان ریڈیو سُننا شجرِ ممنوع بن گیا اور اگر کوئی بھولے سے یہ پھل چکھتا تو اس کے ساتھ اس کے خاندان کی شامت آ جاتی، پاکستانی نظریہ رکھنے والوں کے ساتھ شیخ عبداللہ کے دورِ حکومت میں غلام قادر گاندربلی نے جو کارنامے انجام دیئے۔ وہ رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے آج بھی مثال کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔

پاکستانی نظریہ رکھنے والوں پر گرم گرم استری پھیرنا اور گرم گرم آلو منہ میں ٹھونس کر منہ بند کرانا۔ ٹانگوں کو رسیوں سے باندھ کر آویزاں رکھنا۔ چاقو سے ناخون اُتار کر اُن پر

نمک مرچ ڈالنا، پوشیدہ جگہوں میں مرچوں سے بھری لکڑی ڈالنا ایسے بے شمار واقعات تاریخ میں رقم ہو گئے ہیں۔

۸ مئی ۱۹۴۸ء کو محمد خلیل آہنگر ساکنہ ملک آنگن نے اپنے ایک ہمسایہ کی موت پر، قبرستان میں فاتحہ سے قبل حاضرین سے کہا تھا۔ اگر میرے جیتے جی یہاں پاکستان نہیں بن سکا تو میں وصیت کرتا ہوں کہ جب کبھی یہاں پاکستان بن جائے تو اس کی اطلاع میری قبر پر آ کر دے دینا اور اگر ہو سکے تو پاکستانی جھنڈا میری قبر پر گاڑ دینا۔ محمد خلیل آہنگر کی یہ وصیت علاقہ بھر میں پھیل گئی تو بڑھتے بڑھتے یہ بات وقت کے حاکموں تک جا پہنچی محمد خلیل آہنگر کو گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس اسٹیشن پر گاندربلی نے انھیں اتنا پیٹا کہ ان کے مُنہ سے خون آنے لگا۔ اس پر بھی جلاد کو رحم نہ آیا۔ وہ ان کی پیٹ پر سوار ہو گیا اور ایک لاٹھی اُس کی پیٹ پر رکھ کر زور سے دبائی۔ جب محمد خلیل کا پیٹ پھٹنے لگا اور وہ کراہنے لگا تو گاندربلی نے خونخوار نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"بول کیا رہا ہے۔؟ میں تیری قبر پر پاکستانی جھنڈا گاڑ رہا ہوں۔"

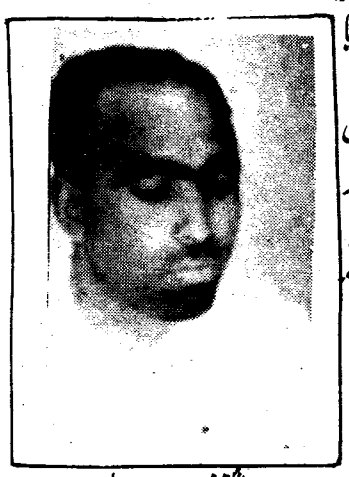
دس دنوں کے بعد جب اُنھیں چھوڑ دیا گیا تو وہ اتنا لاغر ہو چکا تھا کہ وہ چلنے پھرنے کی سکت سے بھی محروم تھا۔ محمد خلیل وہی شخص تھا جس نے سول نافرمانی کی تحریک میں شیخ عبداللہ کی گرفتاری پر کفن پہن کر خانقاہ معلی میں ڈوگرہ راج کو للکارا تھا اور بحیثیت والنٹیر اپنے آپ کو گرفتار کروایا تھا۔

شیخ محمد عبداللہ وزیر اعظم بن گئے تو اُنھوں نے اپنے مظالم سے ڈوگرہ راج کو بھی مات دے دی چنانچہ اُن کی حکمرانی کا جو نقشہ اُن کے دست راست، ان کے دوست شاعر کشمیر مہجور نے کھینچا اس طرح ہے ؎

لدِتھ مجوزہ ونان اُسی گریس کینہہ شامس کھاس اندر
ڈوتھ پھلو پھلو نیکھ اسہ چھوکھ تہ پھس ہلیتھ وا یہ آزادی
ہیوان اُسی پرائی ظالم اُٹھ کھار اسہ زورہ ہوتھ چیر تھ
ژدواہ کھار دتھ سنی آزاد، گھرہ سون ژا یہ آزادی
ستن جاین گژھن کرہس تلاشی تو ملہ موچھ با یت
چھوتین منز اُنی تلتھ پژ ژھا یہ آرم با یہ آزادی

نبر شیخ زانہ کتھ ہیوہ ندمانہ تس ژلی خانہ دارین ہیت
سہ گو فریادکر، ئیتی کنی لوکہ ہنید تس پیا یہ آزادی
رچھان کوتر کو کر لیڈر، غریب رودی فاقہ گیہ ابتر
یہوئے انصاف ہیتھ ملکس اندر آ یہ یہ آزادی
بچا یو وگرہ بابت پھل تر کھا کا نہہ تھوڑ زمنیس تل
چھ اسی کھوژان خبر چھا نیہ ماوگرا یہ آزادی
یہ پولوگرا وندس منز ژا یہ تتہ بیٹھی شالہ گو چھ اندر
توئے شہرس اندر شامس کران ونگہ را ئے آزادی

مندرجہ بالا کشمیری اشعار میں غلام احمد مہجور نے کسانوں سے شالی کی جبری وصولی، عورتوں کے اغوا اور جور و ظلم کی عکاسی کر کے عوامی راج اور آزادی کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ کی حکومت پر زبردست تنقید کر کے اس پر طنز کے تیر برسائے۔ وہ عوامی راج پر شخصی راج کو فوقیت دینے کے لئے کافی ہیں۔



(شیخ محمد عبداللہ)

شاعر نے شیر کشمیر کی وزارت کا جو تمسخر اُڑایا ہے وہ تیر و نشتر سے کچھ کم نہیں۔

شیخ محمد عبداللہ کی عوامی حکومت میں نیشنل کانفرنس کے والنٹیر ڈنڈا ہاتھ میں لے کر اور بازو پر سرخ کپڑا باندھ کر کشمیری عوام کو جو عزت اور آبرو کا مقام دلانے لگے تھے۔ اس کی مثال ملنی مشکل ہے ان والنٹیروں کی طوفان بدتمیزی، چوری چکاری، شراب خوری اور زنا بالجبر کے واقعات کی اگر تفصیل بیان کی جائے تو پوری ایک کتاب بن سکتی ہے۔ بڑے بڑے آفیسروں، معزز شہریوں، لیڈروں اور رئیسوں کی عزت کے ساتھ کھیلنا ان کا معمول بن گیا۔ کسی کی کیا مجال جو ان کی شکایت کر سکے۔

اُن ایام پر اپنے بازو پر سرخ فیتہ باندھ کر آپ کسی کی لڑکی کو اغوا کرتے یا کسی

کے گھر میں ڈاکہ ڈالتے تو آپ سے پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ آپ سرِ راہ کسی پر رعب جماتے، کسی کی پگڑی اُچھالتے تو کوئی آپ کو روک نہیں سکتا تھا۔ آپ کے بچاؤ میں یہ سند کافی ہے کہ جس کی آپ نے دُرگت بنائی وہ پاکستانی ہے۔

اگر آپ کو کسی سے ذاتی عناد ہے یا کسی کی بہو بیٹی آپ کو بھا گئی ہے تو اسے پاکستانی ہونے کے جرم میں گرفتار کروا کر آپ راستہ صاف کر کے اپنا مقصد پورا کر سکتے ہیں۔

یہ صورت حال شہر میں ہی نہیں بلکہ دیہات میں بھی تھی۔ ڈوگرہ فوج نے جو کام اِدھورے چھوڑے تھے۔ وہ نیشنل کانفرنس کے والنٹیر پورا کرنے لگے۔ شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں نیشنل کانفرنس کے والنٹیروں کے کارنامے آج بھی بڑے بوڑھوں کے پاس محفوظ ہیں۔ آج بھی اخباروں، کتابوں اور رسالوں میں محفوظ ہیں۔ نیشنل کانفرنس کے والنٹیروں کے بعض سیاہ کارنامے ڈوگرہ فوج سے بھی زیادہ افسوسناک ہیں۔ شہروں، قصبوں اور دیہات میں حفاظتی دستے تعینات کئے گئے تھے۔ اُن کے ساتھ ملیشیا کے کئی دستے جو رضا کار سلامتی فوج کے نام سے مقرر کئے گئے تھے انھیں تھری ناٹ تھری رائفلوں سے لیس کیا گیا تھا۔ یہ حفاظتی دستے گو ظاہری طور پر "مقامی رہنماؤں" کے زیرِ کمان تھے۔ لیکن وہ زیادہ تر اپنا ضابطۂ کار خود طے کرتے تھے۔ مختلف دیہات اور آس پاس کے علاقے میں بچاؤ اقدامات کے نام پر مکانوں میں بے تحاشہ والنٹیر گھس جاتے تھے۔ مکینوں کو بلاوجہ ہراساں کرنا، عام لوگوں کے ساتھ من مانیاں کرنا اور ان کا قافیۂ حیات تنگ کرنا ان کا من پسند مشغلہ بن گیا تھا۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک کب کہاں اور کیا ہوا۔ یہ داستان اتنی طویل ہے کہ اس کے لئے علیحدہ طور پر کتابوں کی کئی جلدیں درکار ہیں۔

یہاں پر میں ایک واقعہ جی۔ ایم۔ طاؤس کی کتاب "یادوں کے آنسو" سے لے رہا ہوں۔

"علاقہ شوپیان ہے ــــ دوپہر کا وقت تھا۔ سردی شدت کی پڑ رہی تھی۔ لوگ اپنے خس پوش مکانوں میں بیٹھے آگ سیک رہے تھے کہ اچانک گولی کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔

یہ گولیاں چلانے والے آج غیر نہیں اپنے تھے یہ ہمارے والنٹیر تھے۔ اس مسلح دستے نے یہاں ایک ایک گھر کی تلاشی لینا شروع کی۔ ایک کارندہ جو اس سے قبل اسی گاؤں سے ایک منکوحہ عورت کو اغوا کر کے لے گیا تھا قافلے کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ آج کوٹ کے ایک بازو پر سُرخ بلّا چسپاں کئے اور بائیں کندھے پر رائفل لئے اس شان سے آگے آگے چل رہا

تھا جیسے دور سے آئے ہوئے مہمان سسرال کی سیر کر رہا ہو، ہر گھر کی تلاشی لی جانے لگی۔ گھروں سے چند چھٹانک پاکستانی نمک کے سوا اور کچھ برآمد نہ ہوا۔ ان نمک والوں کو "مال منضبط" محافظوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا اور بھی بہت سے لوگ ایک یا دوسرے بہانے کی آڑ میں گارڈ کے سامنے لائے گئے۔ اس طرح جانباز محافظ قیدیوں کی ایک خاص تعداد کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے گاؤں کا چکّر کاٹنے لگے۔ زیارت کے متصل عرصہ دراز سے سادات کا ایک گھر آباد تھا۔ سال ہا سال سے یہ خاندان مرجع خلائق رہا تھا۔ گاؤں کی ساری آبادی میں متوسط طبقے کا یہ گھرانا سجادہ و مصلّےٰ کی امانت سنبھالے مرنجان مرنج قسم کی زندگی گزار رہا تھا۔ یہاں پر پہنچ کر محافظوں نے اپنے رہنما کا اشارہ پاکر فائر کیا، کمین اس فائر کی آواز پر لرز گئے۔ محافظ دستے کے چند افراد مکان کے مردانے حصّے کی اُوپر کی منزل پر چلے گئے باقی افراد نے پچھواڑے کی طرف سے زنانہ میں گھُسنے کی کوشش کی، اس مرحلے پر سفید داڑھی والا ادھیڑ عمر کا سیّد سیڑھی کے ایک زینے پر اُن کا راستہ روک کر کھڑا ہوا اور ایک کرب آمیز چیخ کے ساتھ بولا۔

"عبدالرحمان! اللہ اور رسول صلعم کا واسطہ، میری آبرو بچاؤ، میری بہو بیٹیوں کو نہ چھیڑو، میں تمھارے پاؤں پڑتا ہوں، تم سے عزّت و عصمت کی بھیک مانگ رہا ہوں"۔

دوسرے لمحے سیّد کا عمامہ بوٹ کی ٹھوکر کھا کر صحن کی دیوار پر پہنچ گیا اور سیّد فرش کے ساتھ چمٹ گیا۔ اتنے میں ایک والنٹیر اُوپر کی منزل سے نیچے آگیا۔ اس کے ہاتھ میں بوسیدہ کاغذات کا ایک پلندہ تھا۔ ان میں کسی زمانے میں سیالکوٹ سے آیا ہوا ایک کارڈ بھی تھا۔ محافظ دستہ سیّد سے کرخت لہجے میں یوں مخاطب ہوا۔

"اچھا تو تمھارا پاکستان کے ساتھ خط و کتابت ہے۔ ہم تم کو گولی مار دے گا"۔

تھوڑی دیر میں سیّد اور سیّد کا بھائی ننگے سر، ننگے پاؤں ریوڑ کی پہلی صف میں پہنچا دئے گئے۔ محافظ دستے نے تمام قیدیوں کو یخ بستہ زمین پر بٹھا دیا۔

دہشت زدہ گاؤں والوں کا ہجوم گاؤں سے نکالے ہوئے قیدیوں اور اُن کے محافظوں پر نظریں جمائے اس طرح کھڑا دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ اپنے عزیزوں کو آخری بار زندہ انسانوں کی شکل میں دیکھ رہا ہو، رہنما قیدیوں کی رہائی کے لئے اپنی انتہائی فکرمندی کا اظہار کرنے لگا۔ آدمی دولت پیدا کرتا ہے۔ دولت سے آدمی پیدا نہیں ہوتا۔ لوگ

تھوڑی سی دریادلی سے کام لیں تو کتنی ہی مُردہ لاشوں میں دوبارہ زندگی کی روح پھونکی جاسکتی ہے ــــ اور پھر سکّوں کی جھنکار سے فضا گونج اُٹھی۔ لوگ دوڑ دوڑ کر کاغذ کے نوٹ چاندی کے سکّے ۔ بیویوں کی چوڑیاں، بیٹیوں کی بالیاں، بچیوں کے طومار، غرض ہر قسم کے گہنے لے آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے رہنما کے سامنے سکّوں اور دھاتوں کا انبار لگ گیا۔ تھرتھراتا مجمع احسان مند نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے محض اس کی موجودگی، اُن کے عزیزوں اور رفیقوں کو آج موت کے منہ سے صحیح سلامت نکالنے کا باعث ثابت ہوئی۔ اپنے "فرائضِ منصبی" کو خوش اسلوبی سے انجام دے کر اب محافظ دستہ اطمینان سے گاؤں سے نکل گیا۔

مسلح نگہبانوں نے پاس کے گاؤں "ٹھسو" کے دروازے پر دستک دی۔ یہاں بھی وہی ہولناک ڈراما شروع ہوا جو ابھی ابھی کامیابی سے کھیلا جا چکا تھا۔ اسی انداز سے تلاشیاں ہوئیں۔ اسی انداز سے قیدیوں کا ریوڑ ہانکا گیا۔ پہلے کی طرح گفت وشنید کا سلسلہ شروع ہوا اور فائرنگ کر کے میلے کچیلے گہنے چاندی کے سکّوں اور کاغذ کے نوٹوں نے مردہ لاشوں میں دوبارہ زندگی کی روح پھونک دی اور محافظ اپنے کامیاب دورے پر اکڑتے اتراتے ہوئے شام کو شوپیان کے ہیڈ کوارٹر پر پہنچ گئے۔

آس پاس کے بہت سے دیہات میں راتوں رات یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ ڈوہمسایہ مواضعات کے نشیب وفراز پر عوامی راج کے بے لوث نگہبانوں نے اپنی عظمت اور خلوص کے گہرے نقوش ثبت کر دیئے ہیں اور شاید بہت جلد باقی دیہات کی مزاج پرسی کرنے کے لئے ان دیہات کا بھی دورہ کرنے والے ہیں۔ حولناک ہراس کی مہیب گھٹاؤں نے فضاؤں میں ماتم کا رنگ بھر دیا۔ صبح ہوتے ہی لوگوں کی بہت سی ٹولیاں بلا ارادہ چلتے چلتے ناگام پہنچ گئیں۔ لُٹا ہوا سیّد مکان کی دہلیز پر اس انداز سے بیٹھا تھا جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر ابھی ابھی جاگ گیا ہو، اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے۔ آج اس کی موروثی عظمت پہلی بار ٹھوکر کھا چکی تھی۔ خاندانی عزّت پر بٹّہ لگ گیا تھا۔ وہ دن دہاڑے لُٹ چکا تھا۔ کل کی ڈوجانوں کی سودابازی میں اسے زندگی بھر کا اثاثہ لٹانا پڑا تھا۔ ویسے گاؤں کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر اس طرح دم بخود بیٹھا تھا جیسے کوئی بدنصیب پرندہ زُور سے کسے ہوئے جال سے نکل آیا ہو؛

کشمکش میں طاقتِ پرواز زائل کر چکا ہو۔

ناگام میں آس پاس کے گاؤں کے کافی لوگ جمع ہو گئے۔ چند ذی فہم اشخاص سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ مختلف احتیاطی تدابیر پر غور کیا گیا اور آخر یہ فیصلہ ہوا کہ درجن بھر افراد کا ایک وفد کولگام کے تحصیل صدر مقام پر جا کر وہاں اپنی فریاد عوامی راج کے بلند ایوانوں تک پہنچانے کے لئے تحصیلدار اور تھانیدار کو اپنی حالت زار سے واقف کرے۔ تار گھر سے اعلیٰ اربابِ اقتدار کو نیشنل کانفرنس کے ان والنٹیروں کے روح فرسا واقعات سے برقی گزارشات کے ذریعے آگاہ کرے کہ نارواؤ پر غیروں نے نہیں اپنوں نے حملہ کیا ہے۔ نارواؤ کو لٹیروں نے نہیں بلکہ عوامی حکومت کے محافظوں نے لوٹ لیا ہے۔

خاموش قافلہ افتاں وخیزاں کولگام پہنچ گیا۔ یہاں اس روز تحصیل کے وسیع احاطے میں چناروں کے سائے تلے کشمیر کی آزادی کے اعزاز میں سرکاری طور پر جشن منایا جا رہا تھا۔ مقامی شہرت کے بیسیوں سازندے قسم قسم کے ساز ہاتھوں میں تھامے محفل کو گرما کر ایک طرف بیٹھ گئے تھے۔ ایک جانب اسکول کا بینڈ بج رہا تھا اور طالب علم طرح طرح کے کھیلوں کا مظاہرہ کر کے تقریب کی رونق بڑھا رہے تھے۔ فریادیوں کا قافلہ قریب گیا۔ اس وقت ایک مقرر زور دار الفاظ میں بول رہا تھا:

"..... آج کشمیر کے طول وعرض میں آزادی کا جشن منایا جا رہا ہے۔ سولہ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد آج ہماری قربانیاں رنگ لائی ہیں۔ کل کے باغی آج یہاں کے سیاہ وسفید کے مالک ہیں اور چالیس لاکھ کشمیریوں کی عزّت وآبرو کے محافظ ہیں ..... یہاں کے ایک ایک فرد کی حفاظت کے لئے ہمارا ایک ایک کارکن اپنی جان تک نچھاور کرنے کے لئے تیار ہے۔ آپ لوگوں کو غلط افواہوں سے بہکایا جا رہا ہے۔ ہمارے گھروں میں ہمارے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والوں میں بھی ہمارے دشمن موجود ہیں جو ناقابلِ یقین اور بے تکی باتیں پھیلا کر آپ لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وطن دشمن عناصر یہ افواہیں بھی پھیلا رہے ہیں، کہ مقامی لوگوں پر سختیاں کی جا رہی ہیں۔ انھیں ہراساں کیا جا رہا ہے۔ تحصیل کولگام کے ہر علاقے میں عام لوگوں کی جان ومال، عزّت وآبرو کو

محفوظ رکھنے کے لئے سینکڑوں بے لوث والنٹیر رات دن اپنا خون پسینہ ایک کر رہے ہیں حکومت نے ایسے لوگوں کے لئے جو گھر بیٹھے طرح طرح کی بے بنیاد افواہیں پھیلاتے ہیں' گولی کی سزا مقرر کی ہے۔ ان کو سرِ راہ پکڑ کر گولی ماردی جائے گی۔ ان کی کسی بات پر دھیان نہیں دیا جائے گا۔ ہم بیرونی دشمنوں سے پہلے اپنے اندرونی دشمنوں کا قلع قمع کر دیں گے۔

پلیٹ فارم کے ایک طرف دور سے آئے ہوئے فریادیوں کا قافلہ اس انداز سے گم صم بیٹھا تھا جیسے ناروا ڈوگرہ شاہی کی ہر بستی پر ساری انسانی آبادی پر مقرر کا ایک ایک لفظ بجلی بنکر گر رہا ہو جیسے خدا کی خدائی کو پہلی بار انسان کی بلند آہنگیوں نے دھتکارا ہو۔"

شہر شہر اور دیہات دیہات عوامی راج کی عوام پر یہ زور و زبردستی یہ پھٹکار زبانِ حال سے کہہ رہی تھی۔ بخشدو ہمیں اور اٹھا دو پاندان اپنا۔

کشمیر میں جشنِ آزادی منانے کے ساتھ ساتھ شہروں قصبوں اور دیہات میں پولیس اور ملیشیا کے سپاہی اور نیشنل کانفرنس کے والنٹیر جو کارنامے انجام دے رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر شخصی راج اور عوامی راج میں فرق کرنا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ عوامی راج کے سپاہی اور والنٹیر بعض ایسی حرکات کے مرتکب ہو رہے تھے جن سے ڈوگرہ سپاہی بھی لرز اُٹھیں۔ عوامی راج کے یہ والنٹیر اور اُن کے سیاہ کارنامے ڈوگرہ فوج کی طرف سے کئے گئے ہوتے تو ساری مسلم لیڈر شپ میدانِ کارزار میں اُتر کر ڈوگرہ شاہی کو ساری دُنیا میں بدنام کر چکی ہوتی۔

ڈوگروں کی طرف سے مسلمانوں پر اس قسم کی ظلم و جبر کاروائیوں پر مظاہرے ہوئے ہوتے۔ ہڑتالیں کی گئی ہوتیں اور سر پر آسمان اُٹھایا گیا ہوتا۔ لیکن عوامی راج نے مظلومین کو اُف تک کرنے کی گنجائش نہیں رکھی۔

اِس قسم کے لرزہ خیز واقعات اور حالات کہاں کہاں نہیں ہوئے۔ مظلوم کشمیریوں پر ڈوگرہ شاہی کے بعد شیخ شاہی کے وار ایسے پڑ گئے کہ وہ اس کی تمیز بھی نہ کر سکے کہ یہ دور کونسا ہے ــــ؟

یقین سے کہا نہیں جا سکتا کہ ڈوگرہ شاہی اپنا بوریا بستر باندھ کر چلی گئی ہے یا نہیں؟

کشمیری قوم کو شیخ عبداللہ سے اس قسم کا واسطہ پڑا تو ان کی زبان لنگل گئی۔ اُنھوں نے چُپ سادھ لی اور مقدر پر رو کر اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر دیا۔ عوامی راج میں جو طبقہ سب سے زیادہ اذیت کا شکار ہوا وہ پاکستانی نظریات رکھنے والوں کا نامزد طبقہ تھا۔ ویسے نیشنل کانفرنس کے والنٹیر کسی پر بھی پاکستانی لیبل لگا کر اس کے گھر میں گھسنے اور گھر والوں یا گھر والیوں کے ساتھ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ اُن سے پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔



بٹہ مالنہ کے نبروانی (درزی) کی جوان بیٹی اغوا کی گئی تو وہ فریاد لے کر تھانے پر گیا۔ تھانے پر جب اس نے اغوا کنندہ کا نام بتایا تو کسی نے بھی اس کی مدد نہ کی۔ نبروانی وزیرِ اعظم شیرِ کشمیر شیخ محمد اللہ کی کوٹھی پر فریاد کرنے گیا تو گیٹ پر شور مچانے کی پاداش میں اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ چار روز کے بعد جب وہ ضمانت پر چھوٹ کر گھر آیا تو اس کی کنواری جوان بیٹی عصمت لٹا کر واپس آ چکی تھی۔ نہ باپ بیٹی سے پوچھ سکا تم اتنے دنوں تک کہاں اور کس حال میں تھی اور نہ ہی بیٹی باپ سے پوچھ سکی تم اتنے دنوں نے کہاں غائب تھے۔

(کشمیری عوام)

بچھ گام بڈگام کے قادر وانی کا بیٹا پولیس فائرنگ میں مارا گیا تو وہ عوام کے محبوب لیڈر اور ریاست کے سب سے بڑے حاکم کی کوٹھی پر فریاد لے کر آیا۔ ریاست جموں و کشمیر کا سب سے بڑا حاکم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ اس وقت کوٹھی کے لان میں اپنے انگریز نسل کتے 'راکی' کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ فریادی نے فریاد کی تو شیخ صاحب نے گیٹ پر سپاہی سے اس بدتمیز شخص کو باہر نکالنے کے لئے کہا سپاہی سے دھکے کھانے کے باوجود جب فریادی وہاں سے ہٹنے کے بجائے "فریاد فریاد" پکارنے لگا تو ان پر السیشن کتا راکی دوڑایا گیا۔ انگریز نسل کا کتا ایک غریب کشمیری دیہاتی پر حملہ کر کے اُسے لہولہان کر رہا تھا۔ اس کی بوٹیاں نوچ

رہا تھا اور سلطانِ کشمیر دیہاتی سے اس کی بدتمیزی کا بدلہ لے رہا تھا۔ بچھ گام کا قادر روانی نامی یہ دیہاتی اکلوتے بیٹے کے صدمہ اور کتّے کے حملے سے نیم پاگل ہوگیا پورے ڈیڑھ برس تک وہ بدحواسی میں گھومتا پھرتا رہا۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۵۰ء کو یہ شخص حیدرپورہ میں مُردہ پایا گیا۔



(شیخ صاحب کا انگریز کتّا راکی)

عوامی راج میں نرالی قسم کی جسمانی اذیتوں کی داستان بجائے خود بڑی طویل اور لرزہ خیز ہے۔ گرفتاری اور نظر بندی کے دوران اکثر ناکردہ گناہ مجرموں کو ایک اور درمیانی منزل سے گزرنا پڑتا اور یہی وہ منزل تھی جہاں فولاد کے جگر اور لوہے کے دل پگھل جاتے تھے۔ جہاں آدمی بھیانک قسم کی موت کے روبرو کھڑا ہو جاتا تھا۔ جہاں انسانیت بہیمیت اور بربریت کے ان سانچوں میں ڈھل جاتی تھی۔ جن کی مثال ازمنہ وسطیٰ کی خونی داستانوں میں ملتی ہے یا نازی کنسٹریشن کیمپوں کے رونگٹے کھڑے کر دینے والی کہانیوں میں ــــ!

سفّاک انسانوں کا ایک گروہ کونٹر انٹلی جنس I.A.C کے نام سے سرینگر میں براجمان تھا۔ اسی ایجنسی کو مشتبہ پاکستان نواز عناصر اور آزادی و خود مختاری کے متوالوں سے نمٹنے کا کام سپرد کیا گیا تھا۔

نیشنل کانفرنس کی والنٹیر فورس جس نے وادی بھر میں خاص طور پر شہر سرینگر میں اپنا جال بچھا رکھا تھا ایک منظم دہشت آفرین ادارے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ گروہ کے سردار غلام قادر گاندربلی سے کشمیر کا بچہ بچہ واقف تھا۔ کشمیر کی تاریخ چاہے سب کچھ بھول جائے لیکن عوامی راج کے اس شخص کے ناقابلِ بیان انسانیت سوز جبر و تشدد کو کبھی نہیں بھول سکتی۔

اس کے اخلاق سوز افعال کشمیر کی تاریخ کے صفحات پر بے شمار دل دوز اور خونی نقوش ثبت کر چکے ہیں۔

عوامی راج کے راجدار اور تاجدار کے آشیرواد سے گاندربلی کے ہاتھوں عام لوگوں کے ساتھ معزز اشخاص پر کیا گزرتی تھی ان پر کس قسم کے وحشیانہ مظالم ڈھائے جاتے۔ ان کی ہولناک تفصیلی روئیداد کشمیر کی تاریخ کے ایک سیاہ باب کی صورت میں آنے والی نسلوں کے لئے مرقعِ عبرت کے طور پر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی ہے۔

ریاست میں عوامی راج رائج ہوتے ہی بلیک مارکیٹ کا دور دورہ ہوا۔ جس سے لوگوں کی زندگی اجیرن ہوگئی۔ شیخ محمد عبداللہ کے دست راست اور تحریک حریت کے ایک سپاہی (تنظیم کے خازن) نصیرالدین خان کا بیان جو انھوں نے اپنی کتاب "کشمیر کی جنگِ آزادی" میں درج کیا ہے۔ حسبِ ذیل ہے:۔

"ریاست میں عوامی راج رائج ہوتے ہی بلیک مارکیٹ کا دور دورہ ہوا۔ جس سے لوگوں کی زندگی اجیرن ہوگئی۔ چیزوں کی نایابی کا یہ عالم تھا کہ مردے بھی بے کفن دفنائے گئے۔ ایک اندازہ کے مطابق دُکانداروں نے چیزوں کے بھاؤ ایک دم چار سو فیصد بڑھا دیئے۔ عام لوگ غربت اور افلاس میں مبتلا ہوگئے۔ سارے روپے حاکموں اور سرمایہ داروں کی جیبوں میں چلے گئے۔ لوگوں میں قوتِ خرید مفقود ہوگئی، قحط کے آثار پیدا ہوگئے۔ ذلت و ادبار تمام ریاست پر چھا گیا۔ شریف گھرانے عصمت فروشی کے اڈے بن گئے۔ غرضیکہ لوگ عوامی راج میں قدم رکھتے ہی زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے۔ متوسط الحال اور غرباء نے اپنی جائیداد کو مٹھی بھر چاول کے لئے فروخت کر دیا۔

نیشنل کانفرنس کی تنظیم کے عہدیداروں اور کارکنوں نے انتظامیہ میں داخل ہوکر ناجائز فائدہ اُٹھا کر ایک ہڑبونگ سی مچادی یہ کارندے بالواسطہ اور بلاواسطہ حکومت کی مشنری کے کل پرزے بن گئے۔ استحصالی کاروائیوں اور کنبہ پروری میں اُنھوں نے کوئی کسر باقی نہ رکھی، رشوت اور لوٹ کھسوٹ کا ایسا دور دورہ شروع ہوا کہ یہ تنظیم کا ایک پروگرام لگنے لگا۔

ضروریات زندگی کی ہر چیز اور ہر معاملے میں رشوت ستانی اور

بلیک مارکیٹ کا بازار گرم ہوا۔ جنگل کا صفایا کرنے اور توت کے درخت کاٹنے میں ان کارندوں میں ایک دوڑ سی لگ گئی۔ ہرن، بارہ سنگھے اور چکور وغیرہ ختم کئے جانے لگے۔ ساری وادی کے جنگلات میں کھلم کھلا لوٹ مچائی گئی، لگ بھگ سارے دیہات میں کاہچرائی کو بندر بانٹ کر کے ہڑپ کر لیا گیا۔ غلہ داروں نے مصنوعی قلت پیدا کر کے لوٹ مچائی۔

حکومت نے خوش خرید کے نام پر جو زور و زبردستی کی اس نے ڈوگرہ دور کو بھی مات کر دیا، سرِراہ بیدزنی کر کے تنظیم کے والنٹیروں نے خوب ہاتھ رنگے۔

اکثر بیگناہوں کو کڑی سزائیں دلانے اور ٹکٹکی لگا کر جبر و تشدد کرتے کے باوجود بھی خوراک کا مسئلہ حل نہ ہو سکا تو شالی کی قیمت جو مہاراجہ کے وقت میں سات روپے فی خروار تھی ایکدم ۴۰ روپے اور چاول ۸۰ روپے فی خروار تک جا پہنچے۔ مگر پھر بھی یہ نایاب رہی۔ لوگ بھوک سے نڈھال ہوئے تو عوامی راج کے حکمران اور عوام کے رہنما نے لوگوں کو چاول کے بدلے آلو کھانے کی تلقین کی جس سے لوگ برافروختہ ہوئے۔

حکومت نے پیس بریگیڈ کے علاوہ ہوم گارڈ اور اسپیشل پولیس وغیرہ کی نت نئی پلٹنیں قائم کیں جو مخالف نظریہ کے لوگوں کی پگڑیاں اُچھالنے پر مامور تھیں۔ ڈوگرہ راج میں لوگوں سے زبردستی "مہاراجہ کی جے" کہلوایا جاتا عوامی راج میں "جے ہند" کہنا پڑتا تھا۔ اس پر مستزاد محلہ پریزیڈنٹ حلقہ پریزیڈنٹ کے تلوے چاٹنے پڑتے، عزت اور جان بچانے کے لئے نیشنل کانفرنس کا ٹکٹ حاصل کر کے نیشنل کانفرنس کے ادنیٰ ورکر کی خوشنودی حاصل کرنا پڑتی تھی۔ پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی مکمل طور پر سلب کی گئی۔"



وادی کے لوگوں پر عوامی راج ایک طرح سے قہر بنکر نازل ہوا، عوام کو شیخ عبداللہ سے جو اُمیدیں وابستہ تھیں وہ سب مفقود ہو گئیں۔ بحیثیت حکمران شیخ محمد عبداللہ ظالم، جابر، سنگدل اور بے حد لاپرواہ ثابت ہوئے۔ حکمرانی کے نشے میں وہ ایسے سرشار ہوئے کہ عوام کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ اُنکا یہ طریقہ دوسروں کے اندر لاوا بن کر پکنے لگا۔ !

دل کی ہوس وہی ہے مگر دل نہیں رہا
محمل نشیں تو رہ گیا محمل نہیں رہا

کشمیر کی سیاست اور کلچرل سرگرمیاں

کشمیر میں ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا آغاز کب ہوا؟ اس کے بارے میں وثوق سے کچھ کہا نہیں جا سکتا، البتہ باضابطہ طور پر ان سرگرمیوں کے بارے میں سُراغ "بزم اخوان الصفاء" جیسی تنظیم وجود میں آنے سے ملتا ہے۔ اس انجمن کی داغ بیل سیّد مُبارک شاہ فطرت نے اپریل ۱۹۲۹ء میں ڈالی۔ اس انجمن میں زیادہ تر کالجوں کے پروفیسر اور اسکولوں کے ماسٹر شمولیت کرتے تھے۔

بزم اخوان الصفاء کے تحت سیّد مبارک شاہ فطرت کے دولت خانے پر طرحی مشاعرے ہونے لگے۔ ان مشاعروں میں شرکت کے لئے باہر سے معروف شاعر شرکت کیا کرتے تھے۔ ان میں حفیظ جالندھری، اثر صہبائی، احسان دانش، رُوش صدیقی، عبدالمجید سالک، محمد دین فوق، چودھری خوشی محمد ناظر اور ابن فضا جیسے سخن داں شامل ہوتے تھے۔

رفتہ رفتہ ادبی سرگرمیاں دیوان خانوں سے نکل کر عوامی اجتماع کے مقامات پر اپنا رنگ جمانے لگیں اور سیاسی گہما گہمی کے دوش بدوش ادبی سرگرمیاں بھی پروان چڑھنے لگیں۔



(رشید تاثیر)

بقول رشید تاثیر (تحریک حریت کشمیر جلد ۳) ۱۹۳۵ء میں محمد دین فوق کی "تاریخ اقوام کشمیر" چھپ کر بازار میں آئی۔ اُس کتاب کے صفحہ ۹۶ پر غلام احمد مہجور کے نمونہ کلام کے طور پر بلہ کاک در وزیر وزارت کشمیر کی بے جا تعریف میں مندرجہ ذیل فارسی اشعار درج ہیں (یہاں پر ان کا صرف ترجمہ دیا جا رہا ہے)

اے سروروں کے عالیجاہ سردار
اور در خاندان کی یادگار

تو جاہ و حشمت کے ساتھ آیا
ہم نے تیری راہ میں اپنے سر بچھائے

یہ سرزمین اچکوں کے وجود سے
فتنہ و فساد سے پُر تھی

یہ سب[1] ہاتھوں میں کلہاڑیاں
تلواریں لاٹھیاں اور خنجر لئے نکل آئے

ترے حکم سے یہ سب چور اور لیڈر
قید خانوں میں ٹھونس دئے گئے

ستمگروں کے دشمن تیرا بھلا ہو
کہ (ایسا کر کے) تم نے ہمارا بھلا کیا

سعدی جو کہ مقدر سے آگاہ تھا
رزق ڈھونڈنے کے سلسلے میں پہلے ہی کہا تھا

اگرچہ ہر فرد کو روزی یقیناً ملنی ہے
لیکن عقل کا تقاضا ہے کہ اسے دروں[2] کے ہاں ڈھونڈا جائے

ان اشعار پر غلام احمد مہجور کے خلاف عوامی اور ادبی حلقوں میں زبردست غم و غصہ کا اظہار کیا گیا اور سید مبارک شاہ فطرت نے بحیثیت صدر بزم اخوان الصفا کے اسی بحر اور ردیف میں جو جواب فارسی اشعار میں دیا۔ اس کا یہاں ترجمہ دیا جا رہا ہے:۔

"افسوس ہے ان تہی مایہ شاعروں کے پر کہ فخریہ دستاروں پر فضیلت کے پھول سجاتے ہیں۔ لیکن (خودداری کے فقدان کے باعث) اُن کے کندھے سروں کے بغیر ہیں۔ یہ لوگ خود تو دولتِ دل سے محروم ہیں۔ اسی لئے لوگوں کی زنجیرِ در کھٹکھٹاتے پھرتے ہیں" سرسروران عالی جاہ" تو مسلم حقیقی کی مدح ہے۔ اسے بُت تراش آذر کی تعریف میں استعمال کرنے کی جسارت۔ تُف ہو ایسے بے ہودہ گو شاعروں پر۔ ایسے نام نہاد سخنوروں پر پھٹکار۔ جہاں کہیں بھی انھیں مرغن نوالہ ملتا ہے۔ یہ جھوٹی تعریفوں کے پُل باندھ دیتے ہیں۔ ہم نے میخانہ شعر و سخن میں ایسے بے شمار لوگوں کو جام و ساغر کا جھوٹا چاٹتے دیکھا ہے۔

فطرت غنی (کاشمیری)، کے بادۂ خودی سے سرشار ہے۔ اس لئے

---

[1] نارتھ ویلٹن ۱۹۳۱ء کے مظاہرے کی طرف اشارہ۔

[2] سعدی کے شعر میں در یعنی دروازے کو مہجور نے "در" خاندان سے منسوب کیا۔

ان کی پیروی میں اپنے دروازے بند کئے ہیں۔"

(نوٹ):۔ بلہ کاک درڈوگرہ حکومت کے ایسے حاکم گزرے ہیں جن کے ظلم و ستم سے لوگ کانپ اُٹھتے تھے۔ ریشم خانہ کی مزدور تحریک میں بلہ کاک در نے مزدوروں پر جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ ان کی قصیدہ گوئی کر کے مہجور نے عوام اور خواص کے جذبات مجروح کر دیئے۔ سید مبارک شاہ فطرت کا مہجور کے خلاف احتجاج انہی مجروح جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

بقول رشید تاثیر غلام احمد مہجور شاعر انقلاب بعد میں بنے۔ پہلے تو وہ اپنی سرکاری ملازمت کی خاطر اور اس کی سلامتی کے لئے جاگیردارانہ نظام کے پیشواؤں کی قصیدہ گوئی میں ہی اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ اس مقام پر مہجور صاحب کا وہ قصیدہ جو انھوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کی سالگرہ پر بعنوان "خطاب بہ مہاراجہ بہادر" لکھا ہے اور ہفتہ روزہ "رہبر" مورخہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ نقل کیا جاتا ہے ؎

بُلبلِ شیریں بیان لائی پیامِ نوبہار
صد مبارک آگیا فصلِ بہار خوشگوار

چھیڑ کر کس نے جگایا آج خوابِ ناز سے
نونہالانِ چمن کو کس طرح اُترا خمار

آج کس تقریب پر یہ اختتام دھوم دھام
ساکنانِ باغ ہیں مست مئے شوق فگار

یادگار جامبو لوچن راجہ کیواں حشم
معدن عدل و شجاعت بانئے جموں دیار

صاف کہہ دوں گلبن گلاب کی ٹہنی ہری
جس سے خارستانِ کشمیر بن گیا ہے لالہ زار

اے ہمالہ تجھ کو ہے اپنی بڑائی کی قسم
آج تک دیکھا ہے تو نے کوئی ایسا شہریار

تیری سُنسان وادیوں میں اب بہار آنے کو ہے
چپہ چپہ تیرا بن جائے گا رشکِ شالیمار

ساکنانِ کاشمر اے خسرو گیتی پناہ
حال دل اپنا سناتے ہیں بعجز و انکسار

دور جد و جہد کے اس عہد پُر آشوب میں
کس طرح دن کاٹتے ہیں کیا ہے ان کا کاروبار

خالی دامان ناتوان بے زبان بے دست و پا
تیرے ظل رحم میں ہیں مانند طفلِ شیرخوار

ہم اگر نادار ہیں، بیکار ہیں، لاچار ہیں
تو بنا سکتا ہے ہم کو صاحبِ عز و وقار

ہم اگر جاہل ہیں، بے تمیز ہیں، بے علم ہیں
دل پر ہے تیری وفاداری کا نقش پائیدار

لب پہ حرفِ مدعا طرزِ تکلم ناپسند
تو سمجھتا ہے سب کچھ اے شہِ جم اقتدار

تحفہ کیا لائیں تیرے دربار میں ہم بے نوا
جُز دعائے نیک جو ہے بے بہا پھولوں کا ہار

یا الٰہی جب تلک دورِ مہ و انجم رہے
جب تلک باقی رہے گا گردشِ لیل و نہار

سر مہاراجہ بہادر تا ابد پائندہ باد زندہ و پائندہ و تابندہ و تا روز شمار
ختم کر مہجور مدحِ خسرو فیروز بخت کر دعا چھوٹے پھلے یہ نو نہالِ سایہ دار

مہاراجہ ہری سنگھ بہادر کی مدح میں مہجور کا یہ نذرانہ اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ کشمیر کے یہ مایہ ناز شاعر مہاراجہ بہادر کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ کشمیر میں مہاراجہ کے خلاف جو تحریک ۱۹۳۱ء سے شروع ہو کر ۱۹۳۹ء میں بام عروج پر تھی۔ وہ اس تحریک میں مہاراجہ کا پورا پورا ساتھ دے رہے تھے۔ جیسا کہ اُن کے قصیدہ سے صاف عیاں ہے۔ مگر یہ بات بھی نہیں تھی۔ شاعر کشمیر مہجور جہاں مہاراجہ بہادر کی قصیدہ گوئی کر رہے تھے وہاں در پردہ وہ شیخ عبداللہ کی مدح سرائی بھی کر رہے تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں مہجور کی ڈائری میں ملتا ہے۔

بقول موتی لال ساقی :۔

"مہجور کی تحریر سے دو باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ اوّل یہ کہ شیخ صاحب ۱۹۳۱ء میں ہی ایک زبردست عوامی قوت بن چکے تھے اور کشمیر کے کونے کونے میں ان کی آواز لوگوں کے دل کی دھڑکن بن چکی تھی دوئم یہ کہ خود مہجور بھی شیخ صاحب کو اس زمانے میں اہم شخصیت مانتے تھے۔ شیخ صاحب کے ساتھ مہجور کے تعلقات کب قائم ہوئے؟ اس بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے مگر ایک حقیقت یہ ہے کہ اُن کے درمیان مراسم ۱۹۴۰ء سے پہلے ہی قائم ہو چکے تھے۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں جب مہجور کو سروس سے معطل کیا گیا تو ان کی بحالی کی سفارش گورنر سے شیخ صاحب ہی کر رہے تھے۔ جن کا اشارہ ان کی ڈائری سے ملتا ہے۔"

اس طرح یہ بات صاف ہو گئی جہاں مہجور ۱۹۴۰ء سے پہلے مہاراجہ بہادر کے گُن گاتے تھے۔ وہاں شیخ عبداللہ کی تعریفیں کر کے ان کی تحریک کا ساتھ دے رہے تھے۔ ان ایام میں جب مہجور مہاراجہ بہادر کی قصیدہ خوانی کر رہے تھے۔ شیخ صاحب کے ساتھ ان کے تعلقات قریبی تھے۔ چنانچہ ۳ اگست ۱۹۴۰ء کو جب مہجور نے اپنے فرزند محمد امین کے نام پر کشمیری ہفتہ وار اخبار "گاش" کا پہلا شمارہ منظر عام پر لایا تو اس میں شیخ صاحب کا پیغام جلی حروف میں اخبار کے پہلے صفحے پر درج کیا گیا تھا :۔

پیغام :۔

مجھے یہ سُن کر کافی خوشی ہوئی ہے کہ کشمیر سے اب کشمیری زبان میں ایک ہفتہ وار اخبار "گاش" شائع ہونے والا ہے۔ اس وقت یہاں سے درجن بھر اخبارات اُردو اور انگریزی میں شائع ہوتے ہیں۔ مگر کشمیری (جس کے بولنے والوں کی تعداد ۱۸ لاکھ تک ہے) میں ایک بھی اخبار نہ ہونا کشمیریوں کی حد سے زیادہ بے حسی کی علامت ہے۔ محمد امین تحسین کا مستحق ہے کہ اُس نے یہ کمی پوری کر دی۔

میری دُعا ہے کہ "گاش" کو غریب کشمیریوں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا ہو اور اس جنت نظیر مُلک میں روشنی کا مینار بن کر اس کا نام صحیح معنوں میں درست ثابت ہو۔"

شیخ محمد عبداللہ۔

ایک ایسے وقت میں جب شیخ محمد عبداللہ "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک میں مہاراجہ ہری سنگھ سے برسرِ پیکار تھے۔ مہجور مہاراجہ کی قصیدہ گوئی کر رہے تھے۔ اس پر بھی شیخ محمد عبداللہ مہجور کو اپنا رہے تھے۔ شیخ صاحب نہ صرف مہجور کو اپنا رہے تھے بلکہ اپنے ساتھ ساتھ رکھتے تھے۔ آزادی کے بعد شیخ صاحب نے مہجور کو اپنی بیگم کے ساتھ اجمیر شریف کی زیارت کو بھی بھیجا۔ اپنی قیادت میں انھوں نے مہجور کے لئے ۲۰۰ دو سو روپے کی پنشن بھی منظور کی۔

ایک ایسا شاعر جس پر قوم کو فخر ہو۔ بیک وقت دو متضاد لائنوں پر چل کر مہاراجہ کی قصیدہ خوانی بھی کرے اور شیخ عبداللہ کا ساتھ بھی دے۔ ایک ایسا سوال ہے؟ جس کا جواب ہرگز مشکل نہیں ــــ کیونکہ مہجور مہاراجہ کے تئیں عقیدت کی نظمیں لکھ کر جو کام کرتے تھے۔ یہی کام شیخ صاحب مہاراجہ کے نام تابعداری کے خطوط لکھ کر کیا کرتے تھے۔ لہٰذا ان کا ایک دوسرے کو دُوش دینے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا۔

۱۹۴۱ء میں نیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے اختتام پر جو عدیم النظیر مشاعرہ زیر صدارت سَر شیخ عبدالقادر منعقد ہوا جس میں حفیظ جالندھری نے اپنی معرکہ آلارا نظم "ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا۔" پڑھ کر سُنائی۔ اُس وقت

تک بزم اخوان الصفا کی صدائیں صاف سُنائی دیتی تھیں۔ لیکن اس کے بعد یہ ادبی جماعت اپنی سرگرمیوں کی وسعت نہ دے سکی اور خراماں خراماں لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ اس کے سرگرم اراکین میں شمس الدین حیرت کاملی، پیر عبداللہ القادر آثر، محمد اسماعیل ناصحی، پیر حسن شاہ، اُلفت کاملی، پیرزادہ نجم الدین عشرت، غلام رسول نازکی، نورالدین، محمد امین بچھ، قاضی غلام الدین، قاضی سیف الدین عبدالحق برق قابل ذکر ہیں۔

اس کے بعد ۱۹۴۲-۱۹۴۱ء کے درمیان پروگریسو رائٹرز لیگ ادب کی ترقی پسند تحریک کی بنیاد پریم ناتھ پردیسی، رامانند ساگر، دینا ناتھ در، سوم ناتھ زتشی نے مل کر ڈالی، یہ جماعت آل انڈیا ترقی پسند مصنفین کی تحریک سے متاثر ہوکر قائم کی گئی تھی اس کا باضابطہ طور پر کوئی آفس نہ تھا۔ بلکہ رائٹروں کے گھروں میں اس کی میٹنگیں ہوا کرتی تھیں۔ اس میں شامل اکثر افراد اُردو کے لکھنے والے تھے۔ بعد میں اِن میٹنگوں میں غلام احمد مہجور، شام لال وتی، نندلال کول طالب، غلام حسن بیگ عارف، پریم ناتھ بزاز، پروفیسر پشپ، نندلال واتل، پرتھوی ناتھ کول سائل اور قیصر قلندر نے بھی شرکت کی۔

۱۹۴۳ء میں اس کا نام بدل کر "حلقہ اربابِ ذوق" رکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اُردو کے اکثر لکھنے والے صوبہ جموں کے مسلمان تھے۔ اُن کا تقاضا تھا کہ وہ اس جماعت کو اُردو نام دیئے بغیر اس میں شامل نہیں ہوں گے۔

۱۹۴۴-۱۹۴۳ء میں حلقہ اربابِ ذوق کے دُوسالانہ اجلاس ہوئے۔ ایک کی صدارت خواجہ علام السیدین ناظم تعلیمات جموں وکشمیر اور دوسرے کی پنڈت جیالال کلم نے کی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ "حلقہ اربابِ ذوق" میں تقریباً تمام ادیب و شاعر شامل ہوگئے۔ ان میں دینا ناتھ نادم، علی محمد لون، پران کشور، کنول مینن پرواز، چترنجن چوپڑہ، محمد امین کامل، مہندر رینہ، پروفیسر محمود ہاشمی، پروفیسر محمود احمد، عبدالرحمان راہی، غلام نبی فراق، صلاح الدین احمد، مکھن لال محو، بنسی نردوش سوما ناتھ سادھو، اختر محی الدین، صوفی محی الدین، صوفی غلام محمد، پشکر بھان، نور محمد روشن، عبدالعزیز ہارون مشتاق کشمیری وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

"حلقہ اربابِ ذوق" کی میٹنگیں دیوان خانوں کے ساتھ ایس۔ پی کالج کے

اوراف رُوم میں بھی ہونے لگیں۔ اس کی کئی محفلوں میں ریاست سے باہر کے ادیبوں اور شاعروں نے بھی شرکت کی۔ جن میں بلراج ساہنی، خواجہ احمد عباس، دیوندر ستیارتھی، رامانند ساگر وغیرہ سرِفہرست ہیں۔

۱۹۴۶ء میں ہندوستان میں انجمن ترقی پسند مصنفین قائم کی گئی۔ انجمن کی ان نشستوں میں شعر سُنانے اور افسانے پڑھنے کے ساتھ ساتھ جب ان پر بے لاگ تنقیدیں بھی ہونے لگیں تو اس کی بدولت ادب کا معیار بلند ہونے لگا۔

اسی زمانے میں کئی ڈرامہ کلب بھی وجود میں آئے۔ ان کی دیکھا دیکھی وادی کے چند کالجوں میں بھی ڈرامہ کلب بنے۔ اِن کلبوں سے چھوٹے چھوٹے ڈرامے ہوتے۔ جن میں لڑکیوں کے کردار لڑکے ہی ادا کرتے تھے کیونکہ اُس زمانے میں لڑکیوں کا اسٹیج پر آنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

"کوئٹ کشمیر" تحریک کے ساتھ وادی کا ادبی حلقہ سرگرم ہوگیا۔ اُنھوں نے پیس برگیڈ کی طرح کندھے پر لکڑی کے بندوق اُٹھانے کے بجائے اپنے قلم کو ہاتھ میں لیا اور ڈوگرہ شاہی کے خلاف نظمیں اور ڈرامے لکھنے شروع کئے۔ چونکہ ڈوگرہ راج میں اِن نظموں کے شائع کرانے اور ڈراموں کو اسٹیج پر دکھانے کا سوال ہی نہ تھا۔ لہٰذا ان ادیبوں اور شاعروں کو ادبی تخلیقات میں اپنے جذبات دبانے پڑے۔

۱۹۴۷ء کے سیاسی انقلاب نے یہاں کے ادیبوں اور شاعروں کے ایک گروپ کو "کلچرل فرنٹ" کے نام پر منظم کیا گیا۔ اس کے لئے ہوٹل کارونیشن لال چوک میں دفتر کھولا گیا۔

کلچرل فرنٹ کا ابتدائی کام پوسٹروں اور پمفلٹوں کے ذریعے رائے عامہ اور سیاسی انقلاب کے درمیان تال میل پیدا کرنا ٹھہرا، کلچرل فرنٹ کے ساتھ ہی ایک اور جماعت "رائے عامہ" کے نام سے وجود میں آئی۔ اس کمیٹی کے بنیادی ممبروں میں پیر عبدالاحد شاہ، پیر غیاث الدین غلام رسول رینزو وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

کچھ دنوں کے بعد یہ دونوں جماعتیں آپس میں مدغم ہوکر نیشنل کلچرل فرنٹ کے نام سے کام کرنے لگے۔ اس انجمن کے صدر پیر عبدالاحد شاہ مقرر ہوئے۔

"نیشنل کلچرل فرنٹ" کو جن اصحاب نے اپنی سرگرمیوں سے نقطۂ عروج پر

پہنچایا۔ ان میں پروفیسر محمود ہاشمی، قیصر قلندر، عبدالاحد برق، پران کشور، صلاح الدین احمد، صوفی غلام محمد، نور محمد روشن، گردھاری لال در، سوم ناتھ زتشی، پی۔ این۔ کاجرو، موہن لال ایمہ، سومناتھ زتشی، دینا ناتھ نادم، غلام رسول سنتوش، پریم ناتھ پردیسی، بنسی نردوش، مکھن لال محو وغیرہ شامل تھے۔

نیشنل کلچرل فرنٹ کی تنظیم نو کے بعد اس کے پہلے صدر غلام صادق منتخب ہوئے اس کلچرل فرنٹ نے پروفیسر محمود ہاشمی کا لکھا ہوا ڈرامہ "کشمیر یہ ہے" اسٹیج کیا۔ اس ڈرامے میں نمایاں کردار ادا کرنے والوں میں موہن لال ایمہ، اوشا پشپ، سردار درگا سنگھ، پشکر بھان، پی۔ این۔ کاچرو، سومناتھ کھوسہ، ستمرا لکھوارہ، سنتوش لکھوارہ، خورشید جلال الدین (مسز بخشی غلام محمد) شامل تھے۔ یہ ڈرامہ بہت پسند کیا گیا اور اس نے کشمیر میں ڈراما لکھنے اور اسٹیج کرنے کی ایک تحریک دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کئی کشمیری اور اردو ڈرامے تخلیق ہوئے اسٹیج پر کھیلے گئے اور لوگوں میں کافی مقبول بھی ہوئے تھے۔

نیشنل کلچرل فرنٹ کو زیادہ موثر بنانے کے لئے اُسے تین شعبوں میں تقسیم کیا گیا۔ (۱) ترقی پسند مصنفین (۲) شعبہ ڈراما (۳) شعبہ مصوری۔ اس کا دفتر نمائش گاہ گراؤنڈ میں منتقل کیا گیا۔ نیشنل کلچرل فرنٹ کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں تو باہر سے کئی ادیب، شاعر اور دانشور یہاں ان سرگرمیوں میں شامل ہونے آ گئے۔ ان میں خواجہ احمد عباس، علی سردار جعفری، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، موہن سنگھ شیلا بھاٹیہ۔ دیوندر ستیارتھی، رام چند ٹنڈن، اچلا سچدیو اور شودان سنگھ چوہان سرفہرست ہیں۔

مقامی ادیبوں نے کلچرل فرنٹ کے ساتھ سرگرمی سے حصہ لیا۔ عوام میں اپنے آپ کو متعارف کرانے میں غلام احمد مہجور، نند لال داتل، پروفیسر پشپ، غلام نبی فراق، جگن ناتھ ساقی، غلام حسن بیگ عارف، تریلوک کول، سومناتھ بٹ، سومناتھ زتشی، دینا ناتھ نادم، نور محمد روشن، رحمان راہی، اختر محی الدین، محمد امین کامل، صوفی غلام محمد، بنسی نردوش، سردار ہربنس سنگھ آزاد، قیصر قلندر، پشکر بھان، سومناتھ سادھو، اوتار کرشن رہبر، پران کشور، موہن لال ایمہ وغیرہ شامل تھے۔

ان ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کے ساتھ ساتھ دوسرے کلاکار بھی

اس فرنٹ کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ ان میں عبدالغنی تمنہ ہالی، عبدالاحد نعمہ، حبیب اللہ رباب نواز، ثناءاللہ رباب نواز، غلام محمد قالین باف اور غلام قادر لنگو وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

"نیشنل کلچرل فرنٹ" نے جو پہلا کشمیری ڈراما سیاسی پس منظر میں اسٹیج کیا۔ وہ "شہید شیروانی" تھا۔ اس کے گانے غلام احمد مہجور نے لکھے۔ اس کے بعد کئی ایسے ڈرامے لکھے گئے جن میں شخصی راج کا ظلم اور عوامی راج کا انصاف موضوع ہوتا تھا۔ یہ ڈرامے کلچرل فرنٹ کے اداکار گاؤں گاؤں جا کر اسٹیج کرنے لگے۔ گاؤں میں کلاکار اسی طرح ڈرامے عوام کے سامنے اوپن ایئر میں پیش کرنے لگے جس طرح ہمارے کلاکار "بھانڈ" کھلے میدان میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

نیشنل کلچرل فرنٹ کو اگرچہ حکومت سے مالی امداد بھی ملتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود بھی کلاکار بڑے ذوق و شوق سے اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

نیشنل کلچرل فرنٹ جیسی تنظیم جسے خواجہ غلام محمد صادق اور خواجہ غلام محی الدین قرہ کی حمایت حاصل تھی۔ اس پر کمیونسٹ نظریہ کی لیبل لگ گئی۔ اوائل ۱۹۴۹ء میں اس فرنٹ نے ایک ڈراما کھلے میدان میں کھیلا۔ اس گاؤں کے ذیلدار حسہ لالہ تھے ڈراما ختم ہوتے ہی تماش بینوں نے بحیثیت کاشتکار کے ذیلدار حسہ لالہ کا جمع شدہ دھان حاصل کرنے کے لئے اس کوٹھے پر دھاوا بول دیا اور سارا دھان کوٹھے سے نکال کر آپس میں بانٹ لیا۔

دوسرے روز ذیلدار نے شیخ عبداللہ کے سامنے اس کی شکایت کی کہ یہ سراسر کمیونسٹ نظریہ ہے اور کھلے بندوں اس کا پرچار کیا جا رہا ہے۔

شیخ صاحب نے ناراض ہو کر کلچرل فرنٹ کا دفتر بند کرنے کا حکم دیا اور ان کی مالی امداد بھی بند کر دی۔

اس واقعہ کے بعد خواجہ غلام محمد صادق اور غلام محی الدین قرہ نے بہت کوشش کی تھی کہ کلچرل فرنٹ جاری رہے مگر مولانا محمد سعید مسعودی نے مخالفت کر کے اس دفتر کو دوبارہ کھولنے کی اجازت نہ دی۔

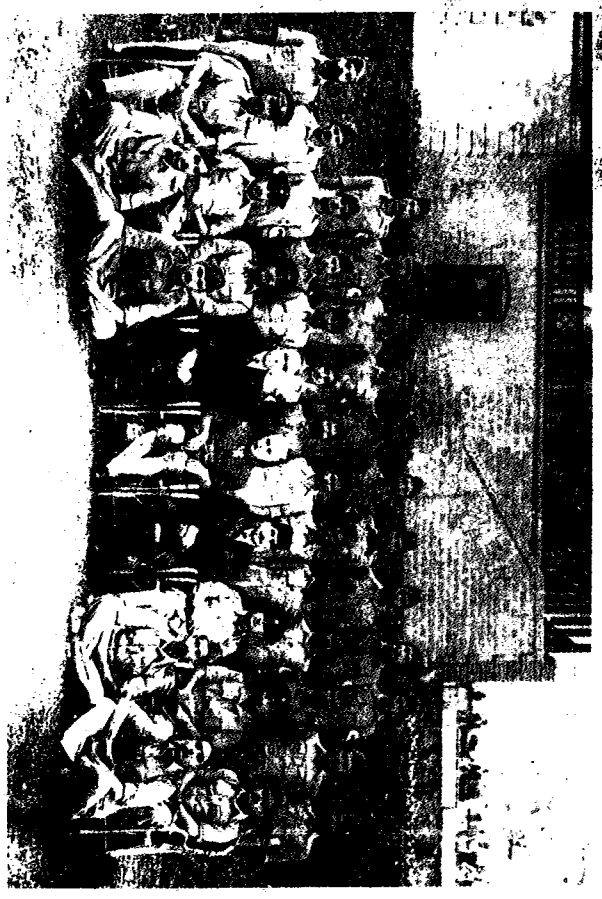
غلام محی الدین قرہ نے کلچرل فرنٹ کو دوبارہ منظم کرنے کی کوشش کی جو بارآور نہ ہو سکی، غلام محی الدین قرہ کے بعد زینب بیگم اور ساجدہ ضمیر احمد نے کلچرل فرنٹ

کی طرز پر ایسی ہی تنظیم کے لئے دوڑ دھوپ شروع کی جو وادی میں کلچرل سرگرمی جاری رکھ سکے۔ لیکن کلچرل فرنٹ کے ارباب نے حکومت کی کاروائی سے حوصلہ شکن ہو کر منظم ہونے سے جی چُرایا۔

کلچرل فرنٹ کی سرگرمیاں قریب قریب ختم ہوگئیں تو یہاں کے ادیبوں اور شاعروں نے ریڈیو کشمیر کی پناہ لی، اور ریڈیو اسٹیشن کے ذریعے ادیبوں، شاعروں، دانشوروں، مصوروں، گلوکاروں اور دیگر فنکاروں نے اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا اس طرح ریڈیو کشمیر ریاستی دانشوروں، ادیبوں اور دوسرے مفکرین کے لئے معاون اور مددگار ثابت ہوا۔ خاص طور سے فنِ موسیقی سے وابستہ کشمیری اساتذہ اور فنکاروں کو اپنے فن کا جوہر دکھانے کا پورا پورا موقع ملا۔ ریڈیو کے ساتھ ساتھ ریاستی کلچرل اکیڈیمی نے محمد یوسف ٹینگ کی سربراہی میں علم و ادب، آرٹ اور کلچر کے فروغ میں جو بے مثال کام کیا۔ اس کی تفصیل کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ ریاستی کلچرل اکیڈیمی بخشی غلام محمد کے دورِ حکمرانی میں وجود میں آئی۔ اس کے پہلے سیکریٹری مرزا کمال الدین شیدا تھے۔ ان کے بعد علی جواد زیدی، صاحبزادہ حسن شاہ، جیالال کول، نیلمبر دیو شرما کچھ مدت کے لئے اختر محی الدین بھی رہے۔ محمد یوسف ٹینگ سیّد میر قاسم کے دورِ حکومت میں اس ادارے کے سیکریٹری مقرر ہوئے تب سے اب تک ان کی نگرانی میں آرٹ، کلچر اور زبان کے بارے میں اس ادارے نے جو کام کیا وہ یقیناً قابلِ تحسین ہے۔

وادی کشمیر سے بہت پہلے یعنی ۱۹۰۹ء میں جموں میں بزمِ سخن کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم ہوئی تھی جس کے بانیوں میں غلام حیدر چشتی، مرزا مُبارک بیگ، عبدالحکیم قاضی شمس الدین اور منشی بشارت احمد قابلِ ذکر ہیں۔

بزمِ سخن کے بعد جموں میں "بزمِ شاعر" کے نام سے ایک اور انجمن ۱۹۱۴ء میں قائم ہوئی۔ اس کی داغ بیل حبیب کیفوی نے ڈالی تھی۔ "بزمِ شاعر" سے دوسرے شعراء حضرات وابستہ تھے۔ ان میں وزیر محمد خاں، صاحبزادہ محمد عمر، سردار محمد عالم خاں، شیخ غلام نقشبندی، منشی غلام علی حسرت اور غلام حیدر خان غوری وغیرہ معروف ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں ان دونوں انجمنوں کو ملا کر "بزمِ اُردو" جموں و کشمیر بنایا گیا۔ ۱۹۴۷ء تک "بزمِ اُردو" بڑی سرگرم انجمن رہی۔ اس طرح سیاسی میدان کے ساتھ ادبی میدان بھی جموں والوں نے وادی کشمیر سے پہلے ہی مار لیا تھا۔



پنڈت نہرو، شیخ محمد عبداللہ کی اس سلامی فوج کے درمیان جس کے سربراہ غلام محی الدین بھلائی نظر آتے تھے اس سلامی فوج نے ڈوگرہ فوج کے ظلم و ستم کو مات دیدی۔